



جس کی برکت سے ہزاروں احباب
شکوہ و شبہات اور غلط فہمیوں سے بچ گئے

علم و رہنمائی کی تحقیق کا نچوڑ ہے
سچے مومنان پر اولین فرض ہے

اسلامی عقیدہ و توحید کے
بارے میں چند بنیادی حقائق پر مبنی نایاب علمی گلدستہ

توحید مسٹھال عظمیٰ مصطفیٰ ﷺ

مسائل قرآنی آیات سے آراستہ صفات میں لاشریک ہونے کا شرعی مفہوم

رسالہ کے مضامین
پہ ایک نظر

وہ مخصوص صفات، جو صرف اللہ رب العزت کی ذات کے ساتھ خاص ہیں

وہ صفات جن میں حقیقت و مجاز کا فرق سمجھنا لازم ہے

حقیقت و مجاز کے مخصوص چار فرق، جن میں معمولی کمی بیشی کی گنجائش نہیں

اللہ کے پیاروں کے لیے اور کفار و مشرکین کے لئے احکام و صفات الگ الگ ہیں

حقیقی تصوف اور صوفیاء کرام کا انکار حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے

متشابہ آیات کا ظاہری معنی مراد لینے سے کفر لازم آتا ہے

مکتبہ محمدیہ سیفیہ آستانہ عالیہ ریحان والا شریف تحصیل ضلع ننکانہ

مکتبہ محمدیہ سیفیہ آستانہ عالیہ ریحان والا شریف تحصیل ضلع ننکانہ

شیخ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دہلوی

حضرت ابوالحسن مشہدی

شیخ فضال حسین شاہ سیفی

حفظہ اللہ

پانی و محترم جامعہ محمدیہ سیفیہ آستانہ عالیہ
ریحان والا شریف ضلع ننکانہ

خلیل احمد سیفی

مکتبہ محمدیہ سیفیہ آستانہ عالیہ ریحان والا شریف تحصیل ضلع ننکانہ

فروع عشق مصطفیٰ ﷺ کے لیے

سیدنا و مرشدنا حضرت پیر سید افضل حسین شاہ صاحب مشہدی محمدی سیفی اطال اللہ حیات

کا اہم ترین پیغام

یہ ایک حقیقتِ مسلمہ ہے، کہ دنیا کی زندگی خواب کی طرح ہے۔ ہمارا حقیقی سرمایہ عشق مصطفیٰ ﷺ جو کہ اطاعتِ رسول ﷺ کے ساتھ ہی معتبر ہے۔ بے شک دنیاوی تعلیم جو کہ بطور ہنر ہے۔ اس کا سیکھنا جائز ہے۔ کوئی بھی ذی شعور مسلمان اس کو حرام نہیں کہتا۔ لیکن دنیوی علوم کی طرف اس قدر رجحان کہ اس میں مگن ہونے کی وجہ سے کہ دینی فرضی علوم سے بالکل بیگانہ ہو جانا، آخرت کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اپنی نسلوں میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی بقاء کے لیے، اپنی اولاد کو رزقِ حلال کھلائیں۔ کیبل میڈیا کی بے حیائی سے بچائیں۔ قرآن کریم کی تجوید و قرأت کے ساتھ تعلیم دلائیں۔ کسی ماہر عالم دین سے اسلامی عقائد اور فرضی مسائل ضرور پڑھائیں، بلکہ اپنی اولاد میں سمجھ بوجھ رکھنے والے کم از کم ایک بیٹے کو حافظ قرآن اور مکمل عالم دین بنائیں۔ اہل بیت کی محبت سکھائیں، اور اہل اللہ سے بار بار ملائیں۔ گھر میں بڑوں کی خدمت و آداب کا سلیقہ سکھائیں۔ جب بھی دینی محافل میں شرکت کا موقع ملے، تو با وضو ہو کر، سر ڈھانپ کر، توبہ کی نیت یعنی ارادہ لے کر شرکت فرمائیں۔ دینی محافل اور بزرگوں کے مزارات کو ڈھول، باجے، دف، بے پردگی اور دیگر غیر شرعی خرافات سے بچائیں۔ اللہ رب العزت ہمیں دینی معاملات میں سنجیدگی اختیار کرنے، اور شرعی معاملات کو اہمیت دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین۔

فیضانِ نظر

مجدد العصر غوثِ جہاں
 حضرت سید **الرحمان** سیف
 اخندزادہ
 پیر
 مرکزی آستانہ عالیہ فقیر آباد شریف لاہور
 مبارک سرکار

فیضانِ نظر

قطبِ وقت، شیخ العلماء
 حضرت **میاں محمد حنفی سیفی**
 ابولا صف
 مبارک اطال اللہ حیات
 آستانہ عالیہ راوی ریان شریف

پسند فرمودہ

حضرت علامہ مولانا جگر گوشہ
 شیخ العلماء محمدی سیفی
 صاحب محمد **آصف**
 خدوم زادہ
 میاں آستانہ عالیہ راوی ریان شریف اطال اللہ حیات

فیضانِ نظر

حضرت سید **عبداللہ شاہ** سیف
 سرکار
 فیضانِ نظر
 والد گرامی سرکار شاہ صاحب مبارک لچال آستانہ عالیہ ریحان والا شریف

خصوصی کوشش

پیر طریقت
 حب **محمد اختر** سیفی
 صاحب
 سید محمدی سیفی
 کر نل

خصوصی معاونت

پیر طریقت و بہر شریعت
 حب **تویر احمد مجدی**
 صاحب
 نقشبندی
 صاحبزادہ
 میاں
 آستانہ عالیہ شرقپور شریف

﴿فہرست﴾

- 3 حرف آغاز
- 5 حسن ترتیب
- اللہ رب العزت کی وہ مخصوص صفات، جو اللہ کے پیاروں کی
- 7 طرف منسوب کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔
- 10 اللہ رب العزت کی وہ صفات جن کا تعلق حقیقت و مجاز سے ہے۔
- 17 حقیقت و مجاز کے وہ چار مخصوص فرق، جن میں معمولی سی کمی بیشی بھی کفر تک لے جاتی ہے۔
- 19 حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی دینی، دنیاوی خرابیاں۔
- وہ صفات جو مجازی طور پر اللہ کے پیاروں کے لیے ثابت ہیں، لیکن کفار و مشرکین کے لیے ثابت نہیں
- 22 یعنی اللہ کے پیاروں اور کفار و مشرکین کے الگ الگ صفات و احکام۔
- 33 اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنا کئی قرآنی آیات کا انکار ہے۔
- 37 علم تصوف اور حقیقی صوفیاء کرام کا انکار حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔
- 39 رسول کریم ﷺ کی نسبتوں کی اہمیت کا انکار حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔
- 43 انتہائی نازک ترین مسئلہ (من دون اللہ) کے بارے میں وضاحت
- قرآن کریم کی متشابہ آیات کا ظاہری معنی مراد لینا، یا ان آیات کی تاویلات کر کے،
- 50 اللہ کریم کی ذات کے لیے جسم ثابت کرنا جائز نہیں۔
- 53 چند خوبصورت حقائق

اللہ ربُّ العزّت نے زمین کی ہر چیز کو حضرت انسان کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا۔

جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت: ۲۹ میں ہے۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ط

ترجمہ: اور اُس (رب کریم) نے جو کچھ بھی زمین میں ہے، سب کچھ تمہارے لیے پیدا فرمایا۔

جبکہ مالک کریم نے حضرت انسان کو اپنی عبادت (معرفت، پہچان) کے لیے پیدا فرمایا۔

جیسا کہ سورۃ الذاریات آیت: ۵۶ میں ہے۔ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون ط

ترجمہ: اور جنوں اور انسانوں کو میں نے صرف اپنی عبادت (معرفت، پہچان) کے

لیے پیدا فرمایا۔ اللہ ربُّ العزّت کی طرف سے یہ پیغام محبت ہے جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی

ہر چیز کو حضرت انسان کے لیے جبکہ حضرت انسان کو اللہ ربُّ العزّت کی عبادت و معرفت کے

لیے پیدا کیا گیا۔

﴿اللہ ربُّ العزّت کی پہچان علم کے بغیر ممکن نہیں﴾

کسی بھی شئی کی پہچان اُس کے بارے میں علم سے ہوتی ہے۔ اللہ ربُّ العزّت کی

پہچان اس کی صفات کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ ربُّ العزّت کی ذات پر غور و فکر کرنے

سے شریعت مطہرہ نے منع کیا ہے۔ مالک کریم نے اپنی پہچان کیلئے اپنے محبوب ﷺ کو علم ظاہر

و باطن کا مُعَلِّم (سیکھانے والا) بنا کر ہماری طرف بھیجا۔ یاد رہے کہ قرآن و سنت کے ظاہری

فیض کو علمِ شریعت، جبکہ قرآن و سنت کے باطنی فیض کو علمِ تزکیہ اور علمِ باطن کہا جاتا ہے۔

رسول کریم، نبی رحمت ﷺ جس طرح علم ظاہر کے مُعَلِّم یعنی سیکھانے والے

ہیں، اس طرح آپ ﷺ علمِ باطن کے بھی معلم ہیں۔ ہر عاقل، بالغ مسلمان پر علمِ ظاہر میں

عقیدہ کے لحاظ سے ان چیزوں کا سیکھنا (جاننا) فرض ہے، جن چیزوں پر ایمان (عقائد و نظریات

درست) رکھنے سے بندہ مومن ہو جاتا ہے، اور جن چیزوں سے ایمان زائل (ختم) ہو جاتا ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ جو علم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ سے دور کر دے۔ وہ حقیقت میں علم نہیں بلکہ جہالت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ ایسے علم سے پناہ مانگا کرتے تھے جو نفع نہ دے۔

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ جس کو تو حید ظاہری نصیب نہیں ہوتی۔ وہ تو حید کی مٹھاس، ایمان کی حلاوت و چاشنی تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ چاہے ظاہری اعمال کی کثرت دیکھنے والوں کو حیرت میں ہی ڈال دے۔ چونکہ تو حید کی مٹھاس تک رسائی حاصل کرنے کیلئے تو حید ظاہری شرط ہے، اسی وجہ سے اس تحریر کا نام تو حید کی مٹھاس رکھا گیا۔

اللہ ربُّ العزت کے فضل و کرم سے ہم نے تنقیدی اور اختلافی لہجے سے بچتے ہوئے کئی مقامات پر یہ اسلامی عقیدہ تو حید بیان کیا، جس کی برکت سے کئی ایسے احباب جو فقط غلط فہمیوں کی وجہ سے اہل سنت و جماعت سے بدظن ہو چکے تھے، وہ توبہ کرتے ہوئے واپس لوٹ آئے۔

اس تحریر میں سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتابچہ میں جو خوبیاں ہیں وہ مالک کریم کے فضل و کرم کی وجہ سے ہیں۔ اگر اس میں کوئی خامی رہ گئی ہو تو وہ مؤلف کی عدم توجہ کی وجہ سے ہے۔

قارئین سے التماس: یہ رسالہ چونکہ انتہائی حساس موضوع پر ہے۔ اس میں غور و فکر اور احتیاط کی مکمل کوشش کی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کسی جگہ کوئی بات محل نظر ہو یا کوئی قابل اصلاح پہلو ہو، تو ضرور مطلع فرمائیں۔ تاکہ اگلی اشاعت میں درستگی کی جاسکے۔

طالب دعا: خادم اہلسنت حافظ خلیل احمد محمدی سیفی فاضل جامعہ نعیمیہ لاہور۔

خطیب جامع مسجد یار رسول اللہ ﷺ منڈی فیض آباد تحصیل و ضلع ننکانہ۔

✉ واٹس اپ کے ذریعے شرعی مسائل کے بارے میں رہنمائی کے لیے

0313-8485313 اس نمبر پر رابطہ فرمائیں

رابطہ نمبر: 0332-8485313 واٹس ایپ نمبر: 0313-8485313 فیس بک نمبر: 0306-4142313

﴿ حسن ترتیب پر ایک نظر ﴾

اللہ رب العزت کی توفیق اور فضل سے آپ کے ہاتھوں میں یہ رسالہ اسلامی عقیدہ توحید کے بارے میں خصوصاً صفات میں لاشریک ہونے کے موضوع پر ایک ایسی نایاب تحریر ہے۔ جو تقریباً چودہ سو سالہ علمائے ربانی کی تحقیقات کا نچوڑ ہے۔

رسالہ کے مضامین کو عام فہم بنانے کے لیے سوال و جواب کی ترتیب میں لکھ دیا ہے۔ پھر مزید آسانی کے لیے 12 اسباق میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاکہ زبانی یاد کرنے میں مزید آسانی ہو جائے۔ اسباق کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

پہلا سبق: جس میں عقیدہ، ایمان، توحید اور شرک کی تعریفات اور دیگر چند ضروری معلومات مذکور ہیں۔
دوسرا سبق: جس میں اللہ رب العزت کی وہ صفات ذکر کی گئی ہیں، کہ جو صرف اُس کی ذات کے لیے خاص ہیں۔ اُن مخصوص صفات کو اللہ کے پیاروں کی طرف منسوب کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔
تیسرا سبق: جس میں اُن صفات کا ذکر ہے۔ جن کا تعلق حقیقت و مجاز سے ہے۔ یعنی وہ صفات اللہ کے لیے ہوں، تو حقیقی معنی مراد ہوتا ہے۔ اور اللہ کے پیاروں کے لیے ہوں، تو مجازی معنی مراد ہوتا ہے۔
چوتھا سبق: جس میں حقیقت و مجاز کے وہ چار مخصوص فرق بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں معمولی سی کمی بیشی بھی کفر تک لے جاتی ہے۔

پانچواں سبق: جس میں حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے دیگر مسائل کا ذکر ہے۔ (جیسے۔ علم غیب، مالک و مختار ہونا۔ وغیرہ)

چھٹا سبق: جس میں اُن صفات کا ذکر ہے، جو مجازی طور پر اللہ کے پیاروں کے لیے ثابت ہیں۔ لیکن کفار و مشرکین کے لیے ثابت نہیں۔ یعنی اللہ کے پیاروں اور کفار و مشرکین کے لیے احکام و صفات الگ الگ ہیں۔

ساتواں سبق: جس میں یہ بیان کیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنا درست نہیں۔ ایسا نظریہ کئی قرآنی آیات کا انکار ہے۔ اس معاملے میں غلط فہمیاں حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں۔

آٹھواں سبق: جس میں یہ بیان کیا گیا ہے، کہ علم تصوف اور حقیقی صوفیاء کرام کا انکار بھی حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔

نواں سبق: جس میں یہ بیان کیا گیا ہے، کہ والدین رسول ﷺ، اصحاب رسول ﷺ، اہل بیت رسول ﷺ، ازواج رسول ﷺ اور امت رسول ﷺ کے اولیائے کرام میں سے کسی بھی ہستی کی فضیلت کا انکار اکثر نسبت کی اہمیت اور حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔

دسواں سبق: جس میں انتہائی نازک ترین مسئلہ (من دون اللہ) کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔ کہ قرآن کریم میں (من دون اللہ) سے مراد کفار و مشرکین اور بت وغیرہ ہیں۔

گیارہواں سبق: جس میں یہ بیان کیا گیا ہے، کہ قرآن کریم کی متشابہ آیات کا ظاہری معنی مراد لینا۔ یا ان آیات کی تاویلات کر کے اللہ رب العزت کی ذات کے لیے جسم ثابت کرنا جائز نہیں۔ بارہواں سبق: جس میں چند علمی حقائق پیش کیے گئے ہیں۔

﴿دینی معاملات میں دلچسپی رکھنے والے احباب کے لیے﴾

☆ رسالہ ہذا سے درس دینے کا طریقہ ☆

☆ سب پہلے رسالہ کا دو چار بار غور سے مطالعہ کریں۔ خصوصاً جس سبق کا درس دینا ہے۔ اسے بار بار پڑھیں۔ پھر برکت حاصل کرنے کے لیے یہ پڑھیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ط أَمَّا بَعْدُ:

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ط بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

☆ پھر سب مل کر درود و سلام پڑھیں۔ ☆ پھر یوں کہیں کہ: اللہ کریم کے فضل و کرم سے

آج ہم اسلامی عقیدہ کا (فلاں نمبر) سبق پڑھیں گے، جو کہ سوال و جواب کی صورت میں ہے۔ پھر سوال و جواب پڑھتے جائیں، صرف جو کچھ لکھا ہے، وہی غور سے درمیانی آواز، آہستہ رفتار سے پڑھتے جائیں۔ جب اختتام کرنا چاہیں تو یوں کہیں کہ، اللہ رب العزت اپنے پیاروں کا صدقہ ہمیں نسل در نسل ایمان پر جینا مرنا نصیب فرمائے۔ سب کہہ دیں۔ آمین۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا پہلا سبق﴾

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ط
أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ط بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط
قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ط صَدَقَ اللَّهُ وَمَوْلَانَا الْعَظِيمُ ط

الْحَمْدُ لِلَّهِ: اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے اس تحریر میں اسلامی عقیدہ توحید کے اہم ترین موضوع کو انتہائی آسان انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے، کہ وہ اس کے ذریعے امت مسلمہ خصوصاً عقیدہ کے بارے میں اُلجھے ہوئے احباب کو خوب نفع عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال: عقیدہ کی تعریف بیان کریں؟

جواب: (قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْحَنْفِيُّ فِي شَرْحِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ
"الْإِعْتِقَادُ هُوَ حُكْمٌ حَازِمٌ لَا يَقْبَلُ التَّشْكِيكَ۔"

(حضرت امام احمد بن محمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اکبر کی شرح میں فرمایا: کہ) ”عقیدہ ایسا

پختہ حکم ہے جو شک کو قبول نہ کرے۔“

(اللہ رب العزت کا ہر لمحہ کروڑوں بار شکر ہے، کہ اُس نے ہمیں ہر لحاظ سے شکوک و شبہات سے بچا کر شرعی آداب سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی)

سوال: ایمان کی تعریف بیان کریں؟

جواب: الْإِيمَانُ: هُوَ إِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيقٌ بِالْقَلْبِ بِمَا جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ۔

ایمان: جو بھی شان والے نبی ﷺ (اللہ کی طرف سے) لے کر آئے، اُس کا زبان سے

اقرار اور دل سے تصدیق کرنا ایمان کہلاتا ہے۔

سوال: اصلاح شریعت میں توحید کی تعریف بیان کریں؟

جواب: (قَالَ صَاحِبُ أَبُو الْمُتَنَبِّهِ فِي شَرْحِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ التَّوْحِيدُ هُوَ تَحْرِيدُ الذَّاتِ

الْإِلَهِيَّةُ عَنْ كُلِّ مَا يَتَصَوَّرُ فِي الْإِفْهَامِ وَ يَتَخَيَّلُ فِي الْأَوْهَامِ وَالْأَذْهَانِ وَ مَعْنَى كَوْنُ اللَّهِ وَاحِدًا نَفْيَ الْإِنْقِسَامِ فِي ذَاتِهِ تَعَالَى وَ نَفْيَ التَّشْبِيهِ وَ التَّشْرِيكِ فِي ذَاتِهِ وَ صِفَاتِهِ۔

(صاحب ابوالمنتمی فقہ اکبر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ) ”توحید: ذات باری تعالیٰ کو ہر اس شئی سے مجرد (علیحدہ) ماننا۔ کہ فہم جس کا تصور کر سکتے ہیں۔ اور وہم و ذہن میں جس کا خیال کیا جاسکتا ہے۔ اور اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا معنی (یہ ہے کہ) اُس کی ذات سے تقسیم کی نفی۔ اور اُسکی ذات و صفات میں تشریک (کسی کو اُس کا شریک ٹھہرانے) اور تشبیہ کی نفی کرنا ہے۔“

سوال: شرک کی کیا تعریف ہے؟

جواب: عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں حضرت علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

إِلَّا شَيْرَاكَ هُوَ إِبْتِثَاتُ الشَّرِيكِ فِي الْأُلُوْهِیَّةِ بِمَعْنَى وَاجِبِ الْوُجُودِ كَمَا لِلْمَجُوسِ أَوْ بِمَعْنَى اسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَاتِ كَمَا لِلْعَبْدِ الْأَصْنَامِ۔

ترجمہ: شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو واجب الوجود ماننا۔ جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے۔ یا اُس ذات کے علاوہ کسی دوسرے کو لائق عبادت ماننا۔ جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔
فائدہ: الحمد للہ کوئی بھی مسلمان اللہ کے علاوہ کسی کو عبادت کا حقدار اور ہمیشہ سے نہیں کہتا۔

سوال: جن چیزوں پر ایمان لانے سے بندہ مومن بنتا ہے۔ وہ کل کتنی چیزیں ہیں؟

جواب: صحیح بخاری: کتاب الایمان میں ہے، کہ جب رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں، ایمان کے

بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ ﷺ نے درج ذیل سات چیزوں کا ذکر فرمایا۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا۔ (۲) فرشتوں پر ایمان رکھنا۔ (۳) تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنا۔

(۴) تمام (انبیاء و) رسولوں پر ایمان رکھنا۔ (۵) آخرت کے دن پر ایمان رکھنا۔ (۶) اچھی بُری تقدیر پر ایمان رکھنا۔ (۷) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان رکھنا۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے انعام یافتہ لوگ، اللہ رب العزت کو وحدہ لا شریک مانتے ہیں۔ لیکن صاحب ایمان ہونے کے لیے، ساتوں چیزوں کو تفصیل کے ساتھ ماننا لازم سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے مذکور سات چیزوں کو مومن یہ بھی کہا جاتا ہے۔

سوال: کیا مومن بہ سات چیزوں کو تفصیل کے ساتھ ماننا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں: مومن بہ سات چیزوں کو تفصیل کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔ یعنی اللہ رب العزت اور اُس کے پیاروں کو ﴿قرآن و سنت میں مذکورہ﴾ تمام صفات و کمالات کیساتھ ماننا، تفصیلی ایمان ہے۔ لہذا: مومن بہ سات چیزوں پر تفصیلی ایمان ضروری ہے۔

سوال: کیا مومن بہ سات چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو نہ ماننے والے کو ایمان والا کہہ سکتے ہیں؟

جواب: ایمان اپنے وجود یعنی پائے جانے کے لحاظ سے بسیط ہے۔ مرکب نہیں ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ ایمان اگر پایا جائے تو پورا پایا جاتا ہے۔ اور اگر نہ پایا جائے، تو بالکل نہیں پایا جاتا۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ ایمان تجزی (تقسیم) کو قبول نہیں کرتا۔ جیسا کہ کوئی پورے قرآن کریم کو مانے صرف ایک آیت کو نہ مانے، تو وہ کافر ہے۔ یوں کہنا جائز نہیں کہ اُس نے ایک آیت کو نہیں مانا، لہذا، وہ ننانوے فیصد مومن ہے، ایک فیصد کافر ہے۔ بلکہ صرف ایک آیت کو نہ ماننے والا، کافر ہے۔ اس لیے کہ ایمان اپنے وجود یعنی پائے جانے کے لحاظ سے تجزی (تقسیم) کو قبول نہیں کرتا۔

سوال: اللہ رب العزت کا تعارف بیان کریں؟

جواب: اَللّٰهُ اِسْمٌ لِذَاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ وَ مُسْتَحَقِّ الْعِبَادَةِ الْمُسْتَحْمِعِ لِجَمِيعِ الصِّفَاتِ الْكَمَالِيَّةِ ط اللہ ایسی ذات کا نام جو (اپنی ذات و صفات کے ساتھ) ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ فقط وہی عبادت کا حقدار ہے۔ اور کمال کی تمام صفات اس کی ذات میں ہمیشہ سے ہیں۔

سوال: ہم اللہ رب العزت کی ذات کو کیسے مانتے ہیں؟

جواب: اللہ رب العزت ہر قسم کی ابتداء و انتہا سے پاک ہے۔ وہ جسم، زماں، مکاں، تھکاوٹ، نیند، اونگھ، مد مقابل، ہم پلہ، ہم جنس، ماں، باپ، بیوی، اولاد، جھوٹ اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ اُس کا کسی چیز میں سرایت کرنا محال ہے۔ اللہ رب العزت اپنی ذات اور مخصوص شرعی مفہوم کے ساتھ صفات میں بھی لاشریک ہے۔

سوال: علمائے ربانی عدد یعنی گنتی کی نسبت اللہ کریم کے کیوں جائز نہیں سمجھتے؟

جواب: اللہ رب العزت اپنی شان وحدۃ لاشریک ہونے کے لحاظ سے ایک ہے۔ عدد یعنی گنتی کا اس

میں لحاظ نہیں۔ اس لیے گنتی حادث اور مخلوق ہے۔ جبکہ اللہ رب العزت کی کوئی صفت مخلوق نہیں۔ بلکہ اُس کی ہر صفت و شان ہمیشہ سے ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے، کہ گنتی تقسیم کو قبول کرتی ہے۔ جیسا کہ نصف (آدھے) کو دو بار جمع کیا جائے، تو ایک شمار ہوتا ہے۔ تہائی حصے کو تین بار جمع کیا جائے، تو ایک بن جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے یہ ماننا ضروری ہے، کہ اللہ رب العزت عدد یعنی گنتی کے لحاظ سے ایک نہیں۔ بلکہ اپنی شان وحدہ لا شریک ہونے کے لحاظ سے ایک ہے۔

سوال: رب العزت کی صفات کے لیے توقیفی ہونے کا مفہوم بیان کریں؟

جواب: اللہ رب العزت کی صفات توقیفی ہونے کا معنی یہ ہے، کہ اُس کی صفات کے بارے میں پابندی ہے۔ کہ جس صفت کا اُس ذات کی طرف منسوب ہونا مضبوط دلیل سے ثابت ہو۔ صرف اُسی پر اکتفاء لازم ہے۔ بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے (نعوذ باللہ) جو صفت اچھی لگے۔ یا جو اپنی طرف سے جی چاہے، اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنا کفر ہے۔

الحمد للہ: یہاں پہلا سبق مکمل ہوا، اب ہم دوسرا سبق یاد کریں گے، جس میں صفات میں لا شریک ہونے کا شرعی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا دوسرا سبق﴾

سوال: کیا ذات باری تعالیٰ کا صفات میں لا شریک ہونے کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے؟

جواب: صفات میں لا شریک ہونے کا مفہوم سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن دور حاضر ایسی خطرناک صورت حال کہ جب بعض لوگوں نے صفات میں لا شریک ہونے کا من گھڑت مفہوم بنالیا۔ اور بغیر تحقیق کے کہنے لگے: کہ جو صفات اللہ کریم کے لیے ثابت ہوں، انہیں مخلوق کی طرف بالکل منسوب نہ کریں۔ بس یہی صفات میں لا شریک ہونا ہے۔ صفات میں لا شریک ہونے کا یہ مفہوم ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ: اگر اس مفہوم کو درست مانیں، تو (العیاذ باللہ) سینکڑوں قرآنی آیات کا انکار لازم آتا ہے۔ اُن آیات کا عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

سوال: ذات باری تعالیٰ کا صفات میں لاشریک ہونے کا شرعی مفہوم بیان کریں؟

جواب: اگر چند حقائق کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔ تو صفات میں لاشریک ہونے کا مفہوم سمجھنا کوئی مشکل نہیں۔

﴿حقیقت نمبر ۱﴾ اللہ رب العزت کی چند صفات ایسی ہیں، کہ وہ صفات صرف اللہ رب العزت کی ذات کے لیے خاص ہیں۔ اُن صفات کا مخلوق کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔ قرآنی آیات سے آراستہ وضاحت آگے آئے گی۔

﴿حقیقت نمبر ۲﴾ اللہ رب العزت کی درجنوں صفات ایسی ہیں، کہ وہی صفات و کمالات اللہ کریم کی ذات کے لیے، اور وہی صفات و کمالات اللہ کے پیاروں کے لیے ہیں۔ جس کی وضاحت بھی عنقریب قرآن کریم کی روشنی میں آئے گی۔

﴿حقیقت نمبر ۳﴾ اللہ کے دوستوں اور دشمنوں (کفار و مشرکین) کے لیے احکام و صفات الگ الگ ہیں۔ یعنی درجنوں ایسی صفات ہیں، کہ اللہ رب العزت نے کفار و مشرکین کے بارے میں اُن صفات کا رد (انکار) کیا۔ اور وہی صفات اُس نے اپنے پیاروں کی طرف منسوب فرمائیں۔ قرآن کریم سے مثالیں آگے آئیں گی۔

﴿حقیقت نمبر ۴﴾ متشابہ آیات کا ظاہری معنی مراد لینا یا تاویلات (اندازے) کرنا حرام اور فرقہ بندی کا بہت بڑا سبب ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں وضاحت آگے آئے گی۔

سوال: صفات میں لاشریک ہونے کا شرعی مفہوم سمجھنے کے لیے چار حقائق میں سے پہلی حقیقت کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ رب العزت کی چند صفات ایسی ہیں، جو صرف اللہ رب العزت کی ذات کے لیے خاص ہیں۔ اُن صفات کا مخلوق کی طرف مجازی طور پر بھی منسوب کرنا کفر ہے۔ اُن صفات کو معیارِ اُلُوہیت بھی کہتے ہیں۔

وہ صفات یہ ہیں: (۱) عبادت کا حقدار ہونا۔ (۲) واجب الوجود ہونا۔ یعنی اپنی ذات و صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہونا اور ہمیشہ باقی رہنا۔

فائدہ: یہاں غلط فہمیوں کے خاتمہ کے لیے چند چیزوں کی وضاحت ضروری ہے۔

(i) عبادت کی تعریف کیا ہے؟

(ii) فقط اللہ کریم ہی عبادت کا حقدار ہے اس پر قرآنی دلائل کی روشنی میں وضاحت!

(iii) کیا متبرک چیزوں کو وسیلہ بنانا اُن تبرکات کی عبادت شمار ہوگی؟ (iv) جب تک نظریہ خراب نہ ہو، کسی کی طرف منہ کرنے سے نہ ہی اس شئی کی عبادت ہے اور نہ ہی شرک کا خطرہ ہے۔

سوال: عبادت کی تعریف کریں؟

جواب: کسی ذات کو ہمیشہ سے یا عبادت کا حقدار سمجھ کر، اُس کی انتہاء درجے کی مخصوص تعظیم کرنا عبادت ہے۔ اس لیے اہل اسلام اللہ کے پیاروں کا ادب و حیاء کرتے ہیں، لیکن اللہ کریم کے علاوہ کسی ذات کو ہمیشہ سے یا عبادت کا حقدار نہیں سمجھتے۔

سوال: عبادت کا حقدار صرف اللہ رب العزت ہے۔ اسے قرآنی دلائل کی روشنی میں بیان کریں؟

جواب: سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۲۳ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ط ترجمہ: اور تیرے رب کا حکم ہے، کہ اللہ کے علاوہ تم کسی کی عبادت نہ کرو۔ اسی طرح سورۃ آل عمران آیت: ۶۲، سورۃ نساء آیت: ۱۷۱، سورۃ المائدہ آیت: ۱۷۳ اور سورۃ ابراہیم آیت: ۵۲ میں بھی مذکور ہے کہ عبادت کا حقدار فقط اللہ کریم ہے۔

سوال: واجب الوجود کا عام مفہوم مفہوم بیان کریں؟

جواب: اللہ رب العزت اپنی ذات و صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مزید آسان لفظوں میں یوں کہیں گے۔ کہ جب کچھ بھی نہ تھا، وہ ہمیشہ سے خود بھی تھا، اُس کی ہر ہر صفت بھی ہمیشہ سے تھی۔ اور جب کچھ بھی نہ رہے گا، یعنی جہاں کی ہر چیز (جسمانی لحاظ سے) فنا ہو جائے گی، تب بھی وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور اُس کی ہر ہر صفت بھی ہمیشہ رہے گی۔

فائدہ: مذکورہ دونوں مخصوص صفات اللہ رب العزت کی ذات کے علاوہ مجازی (عطائی) طور پر بھی کسی میں نہیں پائی جاسکتیں۔ ان کے علاوہ باقی صفات میں حقیقت اور مجاز کا فرق ہے۔ جسے سمجھنا بہر صورت لازم ہے۔ (حقیقت و مجاز کی وضاحت عنقریب آگے آئے گی)

سوال: کیا کسی کی طرف منہ کرنے سے اُسی کی عبادت شمار ہوگی جس طرف منہ کیا ہے؟

جواب: عبادت کا حقدار صرف اللہ رب العزت ہے۔ ہم اللہ کے حکم کی وجہ سے کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔ کعبہ کو عبادت کا حقدار نہیں سمجھتے۔ اسی طرح گناہوں کی مُعافی (کی دُعا مانگنے) کے لیے سورۃ النساء آیت: ۶۴ میں حکم ہے۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

ترجمہ: اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں۔ تو وہ (خود جسم کیساتھ یا بہت دور رہنے والے عالم تصور میں محبوب ﷺ) آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر، پھر اللہ (رب العزت) سے مُعافی مانگیں۔ پھر (بلند) شان والے رسول ﷺ اُن کی سفارش فرمادیں۔ تو وہ اللہ (رب العزت) کو خوب توبہ قبول فرمانے والا، خوب رحم فرمانے والا پائیں گے۔

فائدہ: اس آیہ کریمہ کو پڑھنے سننے کے بعد ایک مُسلمان کے دل میں یہ بات اُتر جانی چاہیے کہ عبادت کا قبلہ مسجد حرام جبکہ توبہ کے لیے وسیلہ مُصطفیٰ ﷺ ہے۔

سوال: کعبہ شریف کو عبادت کا حقدار سمجھنا کیسا ہے؟

جواب: کعبہ کو عبادت کا حقدار سمجھنے والا مُسلمان نہیں رہتا۔ کیونکہ عبادت کا حقدار صرف اللہ ہے۔

سوال: کیا محبوبانِ خدا کی شرعی تعظیم و توقیر کرنا کس کی عبادت شمار ہوگی؟

جواب: یاد رہے: کہ محبوبانِ خدا کی تعظیم و توقیر کرنا اُن بندوں کی عبادت نہیں، بلکہ اللہ کا حکم ہے۔

بلا شک و شبہ جس کا حکم ہے، اُسی کی عبادت ہے۔ شرک کا اندیشہ دلا کر شرعی تعظیم سے منع کرنا، قرآن کریم کی کئی آیات کا انکار اور دین کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں سورۃ الفتح آیت: ۹ میں ارشادِ ربّانی ہے۔

وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ط ترجمہ: اُس کے رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر (یعنی خوب ادب) کرو۔

سوال: محبوبانِ خدا کے تبرکات کی شرعی تعظیم کر کے اُن سے برکت حاصل کرنے کا نظریہ کیسا ہے؟ کسی معتبر حدیث پاک کا حوالہ دے کر وضاحت کریں؟

جواب: اگر غیر جانبدار ہو کر غور کیا جائے: تو معلوم ہوتا ہے، کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

زندگی کا ہر لمحہ آداب رسالت سے آراستہ تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں:

کتاب الشروط: باب الشروط فی الجہاد میں روایت کی عبارت یوں ہے۔

وَاللّٰهُ مَا تَنْحَمُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا وَقَعْتُ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَلِكَ بِهَا وَجْهَةٌ وَجِلْدَةٌ ط
وَ اِذَا تَوَضَّءَ كَاذُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْءٍ ط ترجمہ: اور اللہ کی قسم: جب بھی رسول اللہ ﷺ اپنا گلا
صاف فرماتے تو۔ وہ گلے کا تہرک ہمیشہ کسی صحابی کے ہاتھ پر ہی گرتا۔ پس وہ اُسے اپنے چہرے اور جسم
پر مل لیتا۔ اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو (یوں محسوس ہوتا) کہ وضو کے (استعمال شدہ) پانی کو
حاصل کرنے کے لیے ابھی لڑائی ہو جائے گی۔ فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام
رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کے ذریعے ﴿وسیلہ﴾ سے برکتیں حاصل کرتے رہتے تھے۔

سوال: کیا تبرکات کو وسیلہ بنانے کی قرآن کریم سے کوئی واضح دلیل ہے؟

جواب: سورۃ یوسف آیت: ۹۶ میں ہے: اَلْقَهُ عَلٰی وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ط

کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی حضرت یوسف علیہ السلام کے گرتے مبارک کے
ذریعے ﴿وسیلہ﴾ سے لوٹ آئی۔

فائدہ: تبرکات کو وسیلہ بنانا انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت ہے۔

نوٹ: اگرچہ تبرکات میں جان نہیں ہوتی۔ لیکن تبرکات کا وسیلہ شرعی طریقے سے درست ہے۔

اصل میں بات جاندار یا بے جان ہونے کی نہیں۔ بلکہ اصل بات نسبت اور شرعی وسیلے کی ہے۔

سوال: واجب الوجود کا کیا مطلب ہے؟

جواب: واجب الوجود: ایک اسی ذات جو اپنے موجود ہونے میں کسی کی محتاج نہیں اور نہ اُس کی ابتداء

اور نہ کوئی انتہاء۔ اور یہ فقط اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ فائدہ: اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے، کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی

ذات واجب الوجود ہے۔ اسی طرح کوئی اور ذات مثلاً نبی، ولی وغیرہ واجب الوجود ہیں۔ تو ایسا شخص

مشرک شمار ہوگا۔

الحمد للہ! مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا، کہ کوئی نبی یا ولی وغیرہ اللہ تعالیٰ کی طرح

واجب الوجود ہے۔

سوال: کیا اللہ رب العزت کی تمام صفات کو ماننا ضروری ہے؟

جواب: مشرکین اللہ رب العزت کی بعض صفات کو مانتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ الزخرف آیت: ۸۷۔
سورۃ الزمر آیت: ۳۸۔ سورۃ العنکبوت آیت: ۶۱+۶۳۔ سورۃ یونس آیت: ۳۱۔ سورۃ المؤمنون آیت: ۸۴ یا ۸۹ میں ہے کہ مشرکین اللہ رب العزت کی بعض صفات کو مانتے تھے۔

سوال: مشرکین بعض صفات کو ماننے کے باوجود مشرک کیوں شمار ہوئے؟ اُن میں شرک کی اصل وجہ بیان کریں؟

جواب: مشرکوں کے شرک کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ رب العزت کی تمام صفات کو نہیں مانتے تھے بلکہ بتوں کو اس کی مخصوص صفت ”اَلُوْهُبِیْتُ“ میں شریک کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں سورۃ الاعراف آیت: ۵۹+۶۵+۷۳+۸۵۔ سورۃ طہ آیت: ۱۴۔ سورۃ الصافات آیت: ۳۵۔ سورۃ ص آیت: ۵۔
سورۃ النحل آیت: ۵۱ اور دیگر قرآنی آیات سے یہ حقیقت واضح ہے۔ یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے، کہ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر مشرکین کی خاص خرابی کا ذکر ہے، کہ وہ بتوں کو الہ (معبود) سمجھ کر پکارتے تھے۔

جیسا کہ سورۃ النمل آیت: ۶۲ اور دیگر کئی آیات سے واضح ہے۔ جبکہ اہل اسلام اللہ کے

علاوہ کسی کو (الہ) معبود سمجھ کر پکارنا تو درکنار صرف معبود سمجھنا بھی شرک قرار دیتے ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ شرک کا تعلق پکارنے سے نہیں، بلکہ نظریے اور عقیدے کی خرابی سے ہے۔

سوال: قرآن کریم سے کوئی ایسی واضح دلیل دیں، جس سے معلوم ہو کہ شرک کا تعلق پکارنے سے نہیں، بلکہ نظریے اور عقیدے سے ہے؟

جواب: ہر پکار عبادت نہیں اس سلسلے میں یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اللہ رب العزت کی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کو پکارنے کی نسبت، جب انبیاء کرام کی طرف ہو، تو مطلقاً پکارنا مراد ہے۔ اور اُن کے پکارنے سے بہت کچھ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے سے پرندوں کا قیمہ پھر پرندے بن کر اُن کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور اگر پکارنے کی نسبت مشرکین کی طرف ہو، تو اس سے مطلقاً پکارنا مراد نہیں۔ بلکہ الہ (معبود) سمجھ کر پکارنا مراد ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم سورۃ البقرۃ آیت: ۲۶۰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے مُردہ

پرندوں کے نکلنے کو پکارنے کی مثال موجود ہے۔

فائدہ: اگر ہر پکارنے سے مراد شرک لیا جائے۔ تو (العیاذ باللہ) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی توہین ہے۔ جبکہ مشرکین کے پکارنے کے ساتھ اُن کی اصل خرابی بتوں کو الہ (معبود) قرار دینا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النمل آیت: ۶۳ میں بالکل واضح ہے۔

سوال: امت کے اندر شرک کب آئے گا؟

جواب: صحاح ستہ کی متعدد کتب میں قیامت کی بڑی نشانیوں کے باب میں یہ روایت موجود ہے جس کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تک اللہ چاہے گا۔ دین اسلام تمام ادیان پر غالب رہے گا۔ پھر ایک پاکیزہ ہوا چلے گی تو رائی کے دانے کے برابر ایمان والے بھی لوگ فوت ہو جائیں گے۔ اور وہ لوگ رہ جائیں گے۔ جن میں کوئی خیر نہیں ہوگی۔ تو وہ اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے اور دوسری میں ہے کہ لوگوں کو لفظ اللہ بھی بھول جائے گا۔

فائدہ: یاد رہے کہ ابھی وہ ہوا نہیں چلی، اور نہ ہی لفظ اللہ بھولا ہے۔

اسی طرح سنن ابوداؤد، کتاب الفتن، باب ذکر الفتن میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی عبارت یوں ہے۔

وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتَّى تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي الْآوْثَانَ۔

قیامت قائم نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ میری امت کے بہت سے قبائل مشرکین سے جا ملیں گے۔ اور حتیٰ کہ میری امت کے قبائل بت پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

فائدہ: شاذ و ناظر ہر چیز کا احتمال ہے۔ جیسا کہ دور حاضر میں سعودیہ میں بعض کلمہ پڑھنے والوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر مندر یعنی شرک کا بہت بڑا اڈا تعمیر کروایا۔

الحمد للہ: اہلسنت کے چہرے پر اس قسم کا کوئی داغ نہیں ہے۔

سوال: کیا رسول کریم ﷺ نے اپنے وصال کے بعد قسم اٹھا کر شرک میں مبتلانہ ہونے کی ضمانت دی؟
 جواب: جی ہاں: رسول کریم ﷺ نے اپنے وصال کے بعد (تھوک کے لحاظ سے) شرک میں مبتلانہ ہونے کی ضمانت دی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہید میں عبارت یوں ہے۔
 ”إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي“

ترجمہ: اللہ کی قسم: مجھے اس بات کا خطرہ نہیں، کہ تم میرے بعد شرک کرو گے۔ اسی طرح صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان میں روایت کی عبارت یوں ہے۔
 ”إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ آيَسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ۔“

”شیطان مایوس ہو گیا ہے، کہ نماز پڑھنے والے (مومن تھوک کے حساب سے) جزیرہ عرب میں اب اس کی عبادت کریں“

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا تیسرا سبق﴾

سوال: صفات میں لاشریک ہونے کا شرعی مفہوم سمجھنے کے لیے دوسری حقیقت کی وضاحت فرمائیں؟
 جواب: قرآن و سنت میں اللہ رب العزت کی درجنوں صفات ایسی ہیں کہ وہی صفات و کمالات اللہ رب العزت کی ذات کے لیے اور وہی صفات و کمالات اللہ کے پیاروں کی طرف منسوب ہیں۔
 اُن صفات میں لاشریک ہونے کا شرعی مفہوم سمجھنا یعنی حقیقت اور مجاز کا فرق اور اُسکی شرائط یاد رکھنا بہر صورت لازم ہے۔

سوال: قرآن کریم سے چند ایسی مثالیں بیان کریں۔ کہ جن میں وہی صفات اللہ رب العزت اور وہی اللہ کے پیاروں کے لیے ثابت ہوں؟

جواب: قرآن کریم سے پہلی مثال: سورۃ التوبہ، آیت نمبر: ۹۴ میں ارشادِ ربّانی ہے۔

وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ط ترجمہ: ”اور عنقریب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ تمہارے اعمال کو دیکھیں گے۔ فائدہ: مذکورہ آیہ کریمہ میں ﴿تمہارے اعمال کو دیکھنا﴾ اللہ رب العزت کی شان ہے اور وہی صفت اُس کے رسول ﷺ کی بھی ہے“

قرآن کریم سے دوسری مثال:

سورة الاحزاب آیت: ۳۷ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِي اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ ط ترجمہ: اور جب (محبوب ﷺ) آپ نے اُس (زید بن حارثہ) سے کہا:

جس (زید بن حارثہ) پر اللہ (رب العزّت) نے انعام فرمایا اور (محبوب ﷺ) آپ نے انعام فرمایا۔

فائدہ: غور فرمائیں کہ انعام کرنا ایک اختیار ہے، ایک قدرت ہے، ایک عظمت ہے۔

جو اللہ رب العزّت کے لیے ثابت ہے۔ اور وہی اُس کے رسول ﷺ کے لیے بھی ثابت ہے۔

قرآن کریم سے تیسری مثال:

سورة التوبة آیت: ۷۴ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ اَغْنِهِمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ ط ترجمہ: اللہ اور

اُس کے رسول ﷺ نے اُنکو غنی (امیر) کر دیا۔ فائدہ: مذکورہ آیہ کریمہ میں ﴿غنی یعنی امیر کرنا، جھولی

بھرنا﴾ اللہ رب العزّت کی شان ہے اور وہی صفت اُس کے رسول ﷺ کی بھی ہے۔

قرآن کریم سے چوتھی مثال:

سورة التوبة آیت: ۵۹ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُوْلُهُ ط

ترجمہ: اللہ اور اُس کا رسول ﷺ اُنکو اپنے فضل سے دیتا رہے گا۔ فائدہ: اِس مذکورہ آیہ کریمہ میں

﴿داتا یعنی دینے والا ہونا﴾ اللہ کریم کی شان ہے، اور وہی صفت اُس کے رسول ﷺ کی بھی ہے۔

قرآن کریم سے پانچویں مثال:

سورة البقرہ آیت نمبر: ۲۵۸ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّي الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ط

ترجمہ: یاد کریں کہ جب (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے

اور مارتا ہے۔ جبکہ سورة آل عمران آیت نمبر: ۴۹ میں ارشادِ ربّانی ہے۔

اُبْرِئِ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُخْرِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ط ترجمہ: (حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نے اعلان کیا) کہ میں اندھوں کو آنکھیں دیتا ہوں اور کوڑوں کو شفا دیتا ہوں اور مردوں کو اللہ کے دیے

ہوئے اذن (اختیار) سے زندہ کرتا ہوں۔ فائدہ: مذکورہ پہلی آیہ کریمہ میں ﴿زندہ کرنے﴾ کی نسبت

اللہ کریم کی طرف ہے۔

جبکہ دوسری آیہ کریمہ میں ﴿زندہ کرنے﴾ کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی ہے۔

نوٹ: مذکورہ متعدد مثالوں سے معلوم ہوا کہ شرک کا خطرہ دلا کر اللہ کے پیاروں کی شان و شوکت، کمالات سے روگردانی کرنا واضح طور پر قرآنی آیات کا انکار ہے۔ الحمد للہ: یہاں تیسرا سبق مکمل ہوا، اب ہم چوتھے سبق میں صفات میں لاشریک ہونے کا صحیح مفہوم ذکر کریں گے۔

﴿اسلامی عقیدہ تو حید کا چوتھا سبق﴾

سوال: صفات میں لاشریک ہونے کا شرعی مفہوم بیان کریں؟

جواب: اللہ کریم کی صفات اور مخلوق کی صفات میں حقیقت اور مجاز کا فرق ہے۔ یعنی وہی صفت جب اللہ کریم کے لیے ثابت ہو، تو حقیقی معنی مراد ہوتا ہے، اور اگر وہی صفت مخلوق کے لیے ثابت ہو تو مجازی معنی مراد ہوتا ہے۔

سوال: حقیقی اور مجازی صفات میں کتنی طرح کا فرق ہے۔ اور کیا یہ فرق سمجھنا لازم ہے؟

جواب: حقیقی اور مجازی صفات میں چار طرح کا فرق ہے۔ یاد رہے کہ کسی ایک فرق کا انکار بھی کفر تک لے جاتا ہے۔ لہذا ہر فرق کا اچھی طرح سمجھنا لازم ہے۔

سوال: حقیقی اور مجازی صفات میں پہلا فرق بیان کریں؟

جواب: اللہ رب العزت کی ہر صفت ہمیشہ سے ہے۔ جبکہ مخلوق کی کوئی صفت بھی ہمیشہ سے نہیں۔ مزید آسان لفظوں میں یوں کہیں گے۔ کہ جب کچھ بھی نہ تھا۔ اللہ رب العزت تب بھی ہمیشہ سے تھا۔ اُس کی ہر صفت بھی تھی۔ اور جب کچھ بھی نہ رہے گا۔ یعنی جہاں کی ہر چیز (جسمانی لحاظ سے) فنا ہو جائے گی، تب بھی وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور اُس کی ہر صفت بھی ہمیشہ رہے گی۔ اللہ کریم کی ذات و صفات کے علاوہ نہ کوئی ذات ہمیشہ سے ہے اور نہ ہی کسی کی کوئی صفت ہمیشہ سے ہے۔ یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ (جن کی خاطر پوری کائنات بنائی گئی) آپ ﷺ کے نور مبارک کو اور آپ ﷺ کی شان بشریت (جسم مبارک) کو بھی پیدا کیا گیا۔ یعنی ہمیشہ سے کہنا جائز نہیں۔

سوال: جس نے اللہ رب العزت کی کسی صفت کو ہمیشہ سے نہ مانا۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ رب العزت کی کسی بھی صفت کو مخلوق کہنا کفر ہے۔

جس نے یہ کہا: کہ (العیاذ باللہ) اللہ رب العزت تب خالق (پیدا کرنے والا) ہوا۔ جب

اُس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ تو وہ مسلمان نہیں رہا۔ اسی طرح جس نے یہ عقیدہ رکھا: کہ اللہ رب العزت تب رازق (رزق دینے والا) بنا۔ جب اس نے مخلوق کو رزق دیا، تو وہ مسلمان نہیں رہا۔

صحیح عقیدہ یہ ہے، کہ اللہ رب العزت تب بھی خالق (پیدا کرنے والا) ہی تھا۔ جب اُس نے مخلوق کو پیدا نہیں کیا تھا۔ پھر جب اُس نے مخلوق کو پیدا فرما دیا، تو اُسکی اُس شان کا اظہار ہو گیا۔

سوال: حقیقی اور مجازی صفات میں دوسرا فرق بیان کریں؟

جواب: اللہ رب العزت کی ہر صفت ذاتی ہے۔ جبکہ اللہ کے پیاروں کی تمام صفات و کمالات اور اختیارات اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن کریم میں بعض آیات میں مجازی شان و شوکت کو ظاہر کرنے کے لیے ﴿بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ کا لفظ آتا ہے۔

لیکن اکثر مقامات پر ﴿بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ کے لفظ کا ذکر نہیں۔ اس لیے یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین رہے، کہ جب وہ صفت اللہ رب العزت کی طرف منسوب ہو، تو حقیقی معنی ہی مراد ہے۔ اور جب اللہ کے پیاروں کی طرف منسوب ہو، تو مجازی معنی مراد ہے۔

سوال: حقیقی اور مجازی صفات میں تیسرا فرق بیان کریں؟

جواب: اللہ رب العزت کی ہر صفت غیر مُتَنَہٰی ہے۔ یعنی اُس کی کسی صفت کی کوئی حد نہیں۔ جبکہ اللہ رب العزت کے بندوں کی بالآخر، بالآخر، بالآخر ﴿عِنْدَ اللَّهِ﴾ اللہ کی بارگاہ میں کوئی نہ کوئی حد ہے۔

جیسا کہ سورۃ الفتحیٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَآ حِجْرَۃٌ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاَوَّلٰی ط

ترجمہ: اور (اے محبوب ﷺ) آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی سے بہتر ہے۔ یعنی آپ

ﷺ کی شان و شوکت کی حدود مسلسل بڑھ رہی ہیں۔ جبکہ اللہ رب العزت کی شان بڑھنے یا کم ہونے سے پاک ہے۔

یہاں تک کہ صحاح ستہ کی دو کتب میں روایت مذکور ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اگر

(بالفرض) تمام لوگ نافرمان ہو جائیں، تو اُس مالک حقیقی کی شان میں کمی نہیں۔ اور اگر سب فرما بردار ہو جائیں، تو اس کی شان میں ذرہ برابر اضافہ نہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ہماری عقل جتنی بھی تیز ہو جائے۔

اُس کی رسائی قرآنی آیات کے مطابق ایک شہید کی حیات تک نہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ اور اُن کا مقام شہید سے کہیں اُونچا ہے۔

سوال: حقیقی اور مجازی صفات میں چوتھا فرق بیان کریں؟

جواب: اللہ ربُّ العزت جسم سے پاک ہے۔ اُسے کسی صفت کے اظہار کے لیے آلات و اعضاء کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے۔ جبکہ مخلوق کو صفات کے لیے آلات (یعنی جسم اعضاء، کان، آنکھ وغیرہ) کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر قسم کی محتاجی سے پاک ہے۔ جس نے اللہ ربُّ العزت کے لیے جسم خیال کیا، گویا اُس نے اللہ ربُّ العزت کو جسم یعنی اعضاء وغیرہ کا محتاج سمجھا۔ جس نے اس بے نیاز ذات کو کسی بھی چیز کا محتاج سمجھا گویا اس نے اُسکی ذات کا ہی انکار کر دیا۔

نوٹ: یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے، کہ اللہ ربُّ العزت انسان کو جسمانی وجود ماں اور باپ کے ذریعے ﴿وسیلے﴾ سے، اور دلوں کو نور ہدایت، انبیاء و اولیاء کے ذریعے ﴿وسیلے﴾ سے عطا فرماتا ہے۔ اُس کے اس ﴿وسیلے والے﴾ نظام میں کروڑوں حکمتیں ہیں۔ محتاجی ہرگز نہیں۔

سوال: حقیقت و مجاز کی وضاحت کے سلسلے میں چند حساس مقامات بیان کریں؟

جواب: حقیقت و مجاز کا فرق صرف اور صرف انہیں صفات میں معتبر ہے۔ کہ جو صفات و کمالات

اللہ کریم کی ذات کے ساتھ ساتھ، اللہ کے پیاروں کے لیے بھی ثابت ہوں۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ وہ مخصوص صفات جو صرف اللہ ربُّ العزت کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ اُن مخصوص صفات میں مجاز ثابت کرنا یا ماننا شرک ہے۔ کیونکہ ان مخصوص صفات میں مجاز کو کوئی مجال نہیں۔

حقیقت و مجاز کے تیسرے فرق میں یہ بیان کیا گیا ہے، کہ اللہ ربُّ العزت کی ہر صفت غیر مُتناہی ہے۔ یعنی اُس کی کسی صفت کی کوئی حد نہیں۔ جبکہ اللہ ربُّ العزت کے بندوں کی بالآخر، بالآخر، ﴿عند اللہ﴾ اللہ کی بارگاہ میں کوئی نہ کوئی حد ہے۔ یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ یہ حد عند اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہے۔ نہ کہ بندوں کے سمجھنے کے لحاظ سے۔

فائدہ: عام بندے تو ایک ادنیٰ شہید کی حیات یا ایک ادنیٰ صحابی کی شان و شوکت کو نہیں سمجھ سکتے۔

حقیقت و مجاز کے چوتھے فرق میں یہ بیان کیا گیا ہے: کہ اللہ رب العزت جسم سے پاک ہے۔ اُسے کسی صفت کے اظہار کے لیے آلات و اعضاء کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے۔ جبکہ مخلوق انبیاء و اولیاء سمیت سب کو صفات کے اظہار کے لیے آلات یعنی جسم اعضاء، کان، آنکھ وغیرہ کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے، کہ ایک مسلمان کے لیے انبیاء و اولیاء کا ذکر کرتے ہوئے آنکھ، کان یعنی اعضاء کی محتاجی کا لفظ بولنا درست نہیں۔ بلکہ یوں کہے، کہ محبوبان خدا کی صفات ان کے جسم مبارک سے ظاہر ہوتی ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اپنے پیاروں کا ذکر عزت اور وقار کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے۔ الحمد للہ: یہاں جو تھا سبق مکمل ہوا۔ اب ہم پانچویں سبق میں حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی غلط فہمیاں اور نقصانات کا ذکر کریں گے۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا پانچواں سبق﴾

سوال: حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کے نقصانات بیان کریں؟

جواب: اگر تھوڑا سا غور کریں: تو واضح ہو جاتا ہے، کہ امت مسلمہ میں اکثر اختلافات حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں۔ علمائے ربانی ایک ہی موضوع پر تمام قرآنی آیات کو سامنے رکھتے ہیں۔ پھر حقیقت و مجاز کے تناظر میں امت مسلمہ کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ مددگار ہونا، مالک ہونا، شفا دینا، اولاد دینا، مصیبت نالنا، غیب جاننا، مردے زندہ کرنا، اختیارات کا مالک ہونا یہ سب اختلافات حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں۔ اگر غیر جانبدار ہو کر حقیقت و مجاز کا فرق سمجھ لیں، تو اختلاف جز سے ختم ہو جاتا ہے۔ فائدہ: یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ کسی بھی موضوع پر صرف ایک ہی آیت کریمہ کو نہیں پڑھا جاتا، بلکہ اُسی عنوان سے متعلقہ تمام آیات کو پڑھنے اور حقیقت و مجاز کا فرق سمجھنے سے غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔

سوال: حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کا کوئی اہم معتبر واقعہ بیان کریں؟

جواب: حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک فرقہ سورۃ یوسف: آیت ۴۰ پڑھتے ہوئے سامنے آیا: اس فرقے کی عراق میں، کوفہ کے قریب بستی تھی۔ وہاں پراکٹھے ہو گئے تھے۔

انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کا انکار کر دیا: اور کہا کہ سورۃ یوسف آیت: ۴۰ میں ہے کہ
 اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ ط کہ حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس آیہ کریمہ کا سہارا لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ
 پر انہوں نے شرک کا فتویٰ لگا دیا یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ
 رضی اللہ عنہ کے آمنے سامنے آنے کے بعد، مصلحت کرتے ہوئے، چند مخصوص صحابہ کو اپنی طرف سے
 فیصلہ کرنے کے لیے حاکم (ثالث) مقرر کیا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو حقیقت و مجاز کی طرف
 رہنمائی فرمائی۔ پس جو توبہ کر گئے وہ بچ گئے۔ اور بقیہ کو خوارج (مرتد) کے حکم میں شمار کر کے انجام تک
 پہنچا دیا گیا۔ حالانکہ مذکورہ آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے، کہ حقیقی حاکم صرف اللہ رب العزت ہے۔ جبکہ یہ
 بات بھی قرآن کریم میں ہے کہ رسول کریم ﷺ کی مجازی حاکمیت کو تسلیم کیے بغیر ایمان ثابت نہیں ہو
 سکتا۔ جیسا کہ سورۃ النساء آیت: ۶۵ میں ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا
 قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا.

”پس اے محبوب تمہارے رب کی قسم: وہ مسلمان نہ ہوں گے۔ جب تک اپنے آپس کے معاملات میں
 تمہیں حاکم (فیصلہ کرنے والا) نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کر دو، اپنے دلوں میں اس (فیصلے کے
 بارے) میں حرج نہ پائیں اور خوب اچھے طریقے سے حکم (فیصلے) کو تسلیم کریں۔

سوال: حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے دنیوی اخروی چند نقصانات بیان کریں؟

جواب: پہلا نقصان: بعض لوگوں نے کم علمی کی وجہ سے حقیقت و مجاز کا فرق سمجھے بغیر مسلمانوں پر شرک
 کا فتویٰ لگا کر واجب القتل کہا: جس کی وجہ سے دہشت گردی کو خوب ہوا ملی۔ حالانکہ بخاری شریف
 میں کتاب المناقب: باب علامات النبوة فی الاسلام: میں روایت مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ
 نے قسم اٹھا کر شرک سے محفوظ رہنے کی ضمانت دی اور فرمایا: اِنْسِيْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَیْكُمْ اَنْ
 تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ ط ترجمہ: بے شک اللہ کی قسم: مجھے اپنے (پردہ کرنے کے) بعد تمہارے بارے میں
 شرک کا کوئی خطرہ نہیں۔

دوسرا نقصان: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ایک آیہ کریمہ میں ایک صفت کی نفی ہوتی ہے۔ جبکہ

دوسری آیت میں اُسی صفت کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن کریم پڑھنے والا حقیقت اور مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے حقیقی معنی والی آیت کی آڑ میں مجازی معنی کا انکار کر کے اپنا ایمان ضائع کر بیٹھتا ہے۔ آسمانی کتابوں کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کو مفہوم سمجھانے اور رہنمائی فرمانے کے لیے ہی بھیجا گیا۔ اور ان کے بعد علمائے ربانی ان کے وارث ہیں۔ جیسا کہ سورۃ القصص آیت: ۵۶ میں ہے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ط

ترجمہ: بے شک (محبوب ﷺ) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دیتے۔ لیکن اللہ (رب العزت) جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ جبکہ سورۃ الشوریٰ آیت: ۵۲ میں ہے۔

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ط

ترجمہ: اور بے شک (محبوب ﷺ) آپ ہی تو ہدایت کی طرف لاتے ہیں۔

حقیقی اور مجازی صفات میں فرق نہ سمجھنے والا، سیدھا سادہ مسلمان، جب صرف پہلی آیہ کریمہ کو بار بار سُنے گا، تو قرآن کے نام پر دھوکا کھا جائے گا۔ اور ذہنی طور پر شکوک و شبہات کا شکار ہو جائے گا۔ اگر بغیر اصول کے دیکھیں تو دونوں قرآنی آیات کا معنی ایک دوسرے کے خلاف نظر آئے گا۔ لیکن اگر اصول کی روشنی میں غور کریں، تو مذکورہ پہلی آیہ کریمہ میں فقط حقیقی ہدایت کی نفی ہے۔

یعنی حقیقی ہدایت دینے والا صرف اللہ ہے۔ جبکہ دوسری مذکورہ آیہ کریمہ میں اُسی صفت کا ثبوت ہے۔

یعنی جسے بھی ہدایت نصیب ہوتی ہے، وہ (مجازی طور پر) آپ ﷺ کی بارگاہ سے نصیب ہوتی ہے۔

سوال: چند ایسے مشہور اختلافات بیان کریں جو کہ حقیقت و مجاز کا فرق سمجھنے سے ختم ہو سکتے ہیں؟

جواب: مددگار ہونا، مالک ہونا، شفا دینا، اولاد دینا، مصیبت ٹالنا، غیب جاننا، مردے زندہ کرنا،

اختیارات کا مالک ہونا یہ سب اختلافات حقیقت و مجاز کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں۔ حقیقت و مجاز کا

فرق سمجھ آ جائے، تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے، کہ کسی بھی موضوع پر

صرف ایک ہی آیہ کریمہ کو نہیں پڑھا جاتا، بلکہ اسی عنوان سے متعلقہ تمام آیات کو پڑھنے سے ہی غلط

فہمیاں دور ہوتی ہیں۔

اب ایک ہی موضوع پر تمام قرآنی آیات سامنے رکھنے کی چند مثالیں ذکر کی جائیں گی۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں کو مالک و مختار کہنا درست ہے؟

جواب: سورۃ المائدہ آیت: ۱۷، سورۃ یونس آیت: ۵۵، سورۃ زمر آیت: ۳۳، سورۃ فتح آیت: ۱۳، میں ہے کہ ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ کریم ہے۔ جبکہ سورۃ آل عمران آیت: ۲۶ میں ہے۔

تُوْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ ط ترجمہ: (اے اللہ:) تو جسے چاہے سلطنت (کا مالک بنا) دے۔

اسی طرح سورۃ المائدہ آیت: ۲۵ میں ہے۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اٰخِیْ ط

ترجمہ: (موسیٰ علیہ السلام) نے عرض کی! کہ اے میرے رب! میں صرف اپنی اور اپنے بھائی کی جان کا (مجازی) مالک ہوں۔

اسی طرح سورۃ انبیاء آیت: ۱۰۵ میں ہے۔ اَنَّ الْاَرْضَ یَرْثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ط

ترجمہ: بے شک اس زمین کے (مجازی) مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔

اسی طرح سورۃ الضحیٰ آیت: ۵ میں ہے۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ط

ترجمہ: اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

قرآن کریم کی ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا، کہ اللہ رب العزت جس کو چاہے، مجازی

مالک بنادیتا ہے۔ جیسے ہم بھی اپنی جائیداد کے مجازی مالک ہیں۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں سے مدد طلب کرنا جائز ہے؟

جواب: سورۃ فاتحہ آیت: ۴، اور دیگر کئی آیات میں ہے کہ حقیقی مددگار صرف اللہ رب العزت ہے۔

جبکہ سورۃ النمل آیت: ۴۰ میں ہے۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اِنَّا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ط

ترجمہ: اس (آصف بن برخیا) نے عرض کی! جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا، کہ میں اس تخت کو آپ کے

پاس آنکھ جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔ آپ غور کریں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت لانے کے

لیے اپنی امت کے ایک ولی سے مدد طلب کی۔

اسی طرح سورۃ آل عمران آیت: ۵۴ میں ہے۔ قَالَ مَن اَنْصَارِیْ اِلٰی اللّٰهِ ط

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا: کہ اللہ کی طرف میرا کون مددگار ہے۔

اسی طرح سورۃ الکہف آیت: ۹۵ میں ہے کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:
فَاعِينُونِي بِقُوَّةٍ ۖ تَرْجِمَ: پس تم میری مدد طاقت سے کرو۔

فائدہ: قرآن پاک کی ان آیات مقدسہ سے معلوم ہوا، کہ اللہ کے بندے بھی مجازی مددگار ہیں۔
ان کی مجازی، عطائی صفات و کمالات کا انکار سیدھا سیدھا قرآنی آیات کا انکار ہے۔

اسی طرح سورۃ المائدہ آیت: ۵۵ میں ارشادِ باری ہے کہ: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔
ترجمہ: (اے اہل اسلام) تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اور ایمان والے ہیں۔

فائدہ: ان آیات قرآنی سے واضح ہوا کہ مومنوں کا مددگار اللہ تعالیٰ، اس کا رسول ﷺ اور ایمان والے
ہیں۔ اگر اللہ کے پیاروں سے مدد طلب کرنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی قرآن میں یہ ذکر نہ فرماتا۔

سوال: اللہ کے پیاروں سے مدد مانگنے کے جواز پر چند معتبر کتب سے باحوالہ احادیث بیان کریں؟
نیز وصال کے بعد مدد کرنے کا کوئی حوالہ دیں؟

جواب: صحیح بخاری: کتاب بنیان الکعبۃ، باب المعراج میں ہے کہ: جب رسول کریم ﷺ شب
معراج واپسی پر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے، تو انہوں نے پوچھا: کہ اللہ تعالیٰ نے
کیا تمہارا دیا۔ تو حضور کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿فَرَضْتُ عَلٰی خَمْسُوْنَ صَلَوةً كُلَّ يَوْمٍ﴾ کہ ہر دن کیلئے
۵۰ نمازیں مجھ پر فرض ہوئیں ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بار بار گزارش پر نبی کریم ﷺ اللہ کی
بارگاہ میں گئے اور ۵ نمازیں رہ گئیں۔

فائدہ: یہ حدیث پاک اس بات کی واضح دلیل ہے: کہ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا سے رخصت فرما جانے
کے بعد، بھی لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدد کا فیض قیامت تک امت
مسلمہ کو پہنچتا رہے گا۔ مدد کرنے والے وہ بھی نبی، اور مشورہ قبول کرنے والے وہ بھی امام الانبیاء ہیں۔
لہذا اگر اس عمل میں شرک کا کوئی احتمال ہوتا، تو رسول کریم ﷺ اُن کا مشورہ کبھی قبول نہ فرماتے۔

اسی طرح مسلم شریف کتاب الذکر، باب فضل الاجتماع علی القرآن میں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ
عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ فائدہ: اگر مدد کرنا شرک ہوتا، تو رسول کریم ﷺ کبھی بھی بندوں کی مدد کرنے کی فضیلت بیان نہ فرماتے۔

اسی طرح مسلم شریف کتاب الصلوٰۃ باب فضل السجود میں حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ:
سَلْ، فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْحَنَةِ، فَقَالَ: أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ، فَقُلْتُ هُوَ ذَاكَ، قَالَ:
فَاعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ۔

ترجمہ: مانگ! پس میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کا پڑوس مانگتا ہوں۔ تو آپ نے پوچھا: کہ کیا اس کے علاوہ بھی کچھ چاہیے۔ میں نے عرض کیا: کہ صرف یہی چاہیے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کثرت سجد سے اپنے نفس کے خلاف میری مدد کر۔ یعنی اپنے مطلب کے حصول کیلئے سجدوں کی کثرت کرو۔

فائدہ: اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا، کہ اگر محبوبان خدا سے مدد مانگنا شرک ہوتا، تو نبی کریم ﷺ کبھی بھی اپنے بارے میں نہ فرماتے، کہ مجھ سے مانگ اور کبھی بھی صحابی رسول کریم ﷺ سے جنت میں آپ ﷺ کے پڑوس کا سوال نہ کرتے۔ لہذا: یہ اس بات کی واضح دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے اللہ کے پیارے مدد کر سکتے ہیں۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں کا مافوق الاسباب مدد کرنا ثابت ہے؟

جواب: بعض احباب جب قرآنی دلائل سن کر اللہ کے پیاروں کی مدد کے بارے میں بے بس ہو جاتے ہیں۔ تو وہ مدد کے بارے میں بھی لچک کھاتے ہوئے کہہ جاتے ہیں کہ ہم تو مافوق الاسباب مدد کو شرک سمجھتے ہیں۔ ماتحت الاسباب کی تو دین میں گنجائش موجود ہے۔

اس معاملے میں غیر جانبدار ہو کر پہلی غور طلب بات یہ ہے، کہ ایاك نستعین کا مخصوص مفہوم بیان کر کے، جو پہلے اللہ کے پیاروں کی مدد کو شرک قرار دیا تھا۔ اب اس میں اتنی گنجائش کہاں سے نکل آئی؟ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کا فرق کہاں سے نکال لیا۔

اچھا خیر: یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ حقیقی مددگار صرف اللہ رب العزت ہے۔ جس طرح اللہ کے پیارے ماتحت الاسباب مدد میں اس کی صفات کا مظہر ہوتے ہیں۔ اسی طرف مافوق الاسباب میں بھی اس کی شان کا مظہر ہوتے ہیں۔ باقی رہا کہ اللہ کے پیاروں سے مافوق الاسباب معتبر دلائل کے ساتھ ثبوت۔ تو وہ بھی عنقریب پیش کر دیا جائے گا۔

سوال: ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کا مفہوم بیان کریں؟ اور اللہ والوں سے مافوق الاسباب مدد پہنچنے کو معتبر دلائل سے بیان کریں؟

جواب: جو کام اسباب و آلات سے ہوتا ہو۔ اُسے بغیر سبب کر کے مخلوق کی مدد کرنا۔ جیسا کہ سورہ البقرہ آیت: ۶۰ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ سے پانی کے معاملے میں مدد طلب کی۔ تو اللہ رب العزت کا حکم ہوا کہ پتھر پر اپنا عصا ماریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مارا، تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اب غور فرمائیں کہ زمین سے پانی اسباب کے تحت یعنی آلات سے نکل آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر آلات کے نکال کر اپنی قوم کی مدد فرمائی۔ اور مافوق الاسباب کا مطلب یہ ہے کہ جہاں سے اسباب کے ذریعے بھی مدد نہیں پہنچ سکتی۔ اس طرح کی مدد کو مافوق الاسباب مدد کہتے ہیں۔

اگر تھوڑا سا غور کریں تو قرآن کریم میں سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے امتی کا بغیر اسباب و آلات کے تخت لے آنا، ماتحت الاسباب مدد ہے۔ یعنی اسباب کے ذریعے لایا جاسکتا تھا لیکن وہ بغیر اسباب کے لے آئے۔ اگر غور کیا جائے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آنا یہ مافوق الاسباب ہے۔ کیونکہ اسباب و آلات سے تخت لایا تو جاسکتا تھا مگر اتنی جلدی کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے آجائے۔ یہ مافوق ہے۔ مزید وضاحت کیلئے متفق علیہ حدیث پاک ذکر کی جا رہی ہے۔

بخاری شریف کتاب الوضوء، باب التماس الماء میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوُضُوءَ، فَلَمْ يَجْلُوهُ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِوُضُوءٍ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي ذَلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهُ وَأَمَرَ

النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّعُوا مِنْهُ۔ قَالَ: فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَضَّعُوا مِنْ عِنْدِ
أَجْرِهِمْ۔

ترجمہ: میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا: کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ لوگوں نے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔
پس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وضو کیلئے پانی پیش کیا گیا، تو آپ ﷺ نے اس برتن میں اپنا دست
مبارک ڈالا اور لوگوں کو حکم دیا۔ کہ اس سے وضو کریں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں
نے آپ ﷺ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی کو (چشمے کی مثل) پھونٹے ہوئے دیکھا۔ یہاں تک کہ
آخری آدمی (صحابی) نے بھی وضو کر لیا۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں کی طرف شفا دینے کی نسبت کر سکتے ہیں؟

جواب: سورۃ یونس آیت: ۱۰۷، سورۃ الشعراء آیت: ۸۰ اور دیگر کئی آیات میں ہے، کہ حقیقی شفاء دینے
والا صرف اللہ رب العزت ہے۔ جبکہ سورۃ آل عمران آیت: ۴۹ میں ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
نے اعلان فرمایا: وَأُبْرِئُ الْكَلْمَةَ وَالْأَبْرَصَ ۚ

ترجمہ: اور میں پیدا کنشی اندھے اور برص والے کو شفا دیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے پیارے بھی اللہ کی
دی ہوئی طاقت سے شفا دیتے ہیں۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں کی طرف اولاد دینے کی نسبت کرنا درست ہے؟

جواب: سورۃ الشوریٰ آیت: ۴۹ میں ہے، کہ اولاد عطا کرنے والا فقط اللہ رب العزت ہے۔
جبکہ سورۃ مریم میں آیت: ۱۹ میں ہے۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۚ

ترجمہ: (حضرت جبرائیل امین نے) کہا: کہ میں تو صرف اللہ رب العزت کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ میں
تمہیں ستمرا بیٹا دوں۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ مجازی طور پر اللہ کے پیاروں کی طرف بیٹا عطا کرنے کی
نسبت کرنا بھی عین قرآنی ایمانی عقیدہ ہے۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں کے لیے عطائی علم غیب قرآن کریم سے ثابت ہے؟

جواب: سورۃ النعام آیت: ۵۰، سورۃ اعراف آیت: ۱۸۷-۱۸۸، اور سورۃ جن ۲۵ یا ۲۸ میں ہے، کہ

حقیقی غیب صرف اللہ رب العزت ہی جانتا ہے۔

جبکہ سورۃ آل عمران آیت: ۷۹ میں ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظِلَّكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَخْتِبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ط

ترجمہ: اور اللہ کی شان یہ نہیں، کہ وہ تمہیں غیب کا علم عطا فرمائے۔ ہاں! اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (وہ علم عیب کے لیے) چن لیتا ہے۔

اسی طرح سورۃ جن آیت: ۲۷ میں ہے۔

عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ط إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ ط

ترجمہ: اللہ رب العزت غیب کا جاننے والا وہ اپنے غیب کا کسی کو مظہر نہیں کرتا، سوائے اپنے رسولوں کے، جن (رسولوں) پر وہ راضی ہوا۔

اسی طرح سورۃ البکورہ آیت: ۲۳ میں ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ط

ترجمہ: اور وہ (شان والے) نبی غیب بتانے میں بخل نہیں کرتے یعنی کسر نہیں چھوڑتے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ کی عطاء سے انبیاء کرام علیہم السلام بھی غیب کا علم جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے رسولوں پر راضی ہے۔ جن پر وہ راضی ہوتا ہے ان کو اپنی صفات کا مظہر بنا دیتا ہے۔ لہذا: مخلوق کو بھی چاہیے کہ جس کام میں اللہ راضی ہے اس میں وہ راضی رہیں۔

فائدہ: ہم نے ایک ہی موضوع پر ظاہر تضاد رکھنے والی چند قرآنی آیات بھی تحریر کیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ شرک کا خطرہ دلا کر اور قرآنی حقائق سے روگردانی کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

سوال: کیا رسول کریم ﷺ کا عطائی علم غیب کسی معتبر روایت سے ثابت ہے؟

جواب: صحیح بخاری، کتاب بدأ الخلق، باب ما جاء في قول الله: وهو الذي بدأ الخلق حضرت طارق بن

شہاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے

سنا۔ قَامَ فِينَا النَّبِيُّ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدَأِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْحَنَةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ

مَنَازِلَهُمْ۔

ترجمہ: کہ رسول کریم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے۔ پس ہمیں ابتداء خلق کی خبر دی، یہاں تک

کہ جنتی لوگ اپنی جگہوں میں چلے جانے کی اور جہنمی لوگ اپنی جگہوں میں چلے جانے کی (یعنی ہمیں ابتداءً خلق سے لے کر قیامت کے بعد تک کے تمام واقعات کی خبر دی)

فائدہ: اس حدیث مبارک سے یہ بات واضح ہوئی، کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مخلوق کے پیدا ہونے سے لے کر، قیامت کے بعد تک کے تمام احوال و حوادث کا علم دیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے یہ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے بیان فرمایا۔

اسی طرح بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ، میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ هَلْ تَرَوْنَ قِبَلَتِي هَهُنَا؟ فَوَاللَّهِ! مَا يَخْفَى عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ وَلَا رُكُوعُكُمْ، اِنِّي لَا رَأَيْتُكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي۔

ترجمہ: کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ یہاں (سامنے) ہے؟ (یعنی جدھر میرا چہرہ میں صرف اُدھر ہی دیکھتا ہوں) پس اللہ عز و جل کی قسم! مجھ پر تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں ہے، پس بے شک میں اپنے پیچھے تمہیں ایسے ہی دیکھتا ہوں۔ جیسے میں تمہیں (سامنے سے) دیکھتا ہوں۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ رسول کریم ﷺ کے لیے آگے اور پیچھے کو جاننا ایک جیسا ہی ہے۔ یعنی آپ ﷺ اپنے پیچھے کی چیزوں کو بھی اسی طرح جان لیتے ہیں، جیسے آپ آگے کی چیزوں کو جانتے ہیں۔ تو یہ نبی کریم ﷺ کے علم غیب کی واضح دلیل ہے۔

اسی طرح مسلم شریف، کتاب الجہاد، باب غزوہ بدر میں ہے کہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (غزوہ بدر کے موقع پر) ارشاد فرمایا:

هَذَا مَضْرَعُ فُلَانٍ وَ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَهُنَا وَ هَهُنَا، قَالَ فَمَا مَاتَ إِلَّا عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔ ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے اور آپ ﷺ اپنا ہاتھ اس زمین پر رکھتے کہ یہاں یہاں (فلاں، فلاں) کافر مریں گے، راوی کہتے ہیں کہ کوئی کافر رسول کریم ﷺ کے ہاتھ لگانے کی جگہ سے آگے پیچھے نہیں مرا۔ فائدہ: اس حدیث مبارک سے یہ بات معلوم ہوئی، کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ بدر سے ایک دن قبل ہی، کافروں کے مرنے کی جگہ بھی بتادی۔ حالانکہ ابھی جنگ بھی شروع نہ ہوئی تھی۔ تو یہ نبی کریم ﷺ

کے علم غیب کی واضح دلیل ہے۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں کو وصال کے بعد لفظ یا وغیرہ کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے؟ چند مفسرین کی تحقیقات بیان کریں؟

جواب: محبوبان خدا کی ظاہری زندگی یا بعد از وصال قریب اور دور والوں کے لیے جائز ہے۔ نیز یہ بات ذہن نشین رہے، کہ اس سے شرک لازم نہیں آتا۔
سورۃ النور آیت: ۶۳ میں ارشاد ربانی ہے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ترجمہ: تم رسول (ﷺ) کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

اس آیت کریمہ کے تحت تفسیر جلالین، تفسیر صاوی، تفسیر جامع البیان للطبری اور تفسیر بیضاوی میں ہے، کہ رسول کریم ﷺ بعد از وفات یا رسول اللہ! یا حبیب اللہ ﷺ کہہ کر پکارا جائے۔ نام لے کر روکھے انداز سے نہ پکارا جائے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ کا نعرہ اس صدی میں نہیں بلکہ اس کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ مفسرین کرام نے اپنا یہ عقیدہ نبی کریم ﷺ کی وفات ظاہری کے بعد اپنی تفاسیر میں لکھا ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ کو یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارنا صرف حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ہی جائز ہوتا، اور بعد از وصال جائز نہ ہوتا، تو یہ تمام مفسرین اپنی کتب تفاسیر میں کبھی بھی یہ عقیدہ نہ لکھتے۔ بلکہ یہ وضاحت کرتے کہ اب نبی کریم ﷺ کو یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارنا منع ہے۔ حالانکہ ایسا کسی ایک مفسر نے بھی نہیں کہا۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے، کہ نبی کریم ﷺ کو اب بھی یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارنا، نہ صرف جائز بلکہ تعظیم اور ادب کا تقاضا ہی ہے۔

اسی طرح نسائی شریف اور ابن ماجہ میں جمعہ کے فضائل میں حضرت اوس رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَحْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللَّهِ حَتَّى يُرْزَقَ۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے، کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث مبارک سے یہ بھی واضح ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
الحمد للہ: یہاں پانچواں سبق مکمل ہوا۔ اب چھٹا سبق شروع کیا جائے گا۔ جس میں قرآنی آیات کی روشنی
میں یہ واضح ہے۔ کہ محبوبانِ خدا اور کفار و مشرکین کے لیے صفات و احکام الگ الگ ہیں۔

﴿اسلامی عقیدہ تو حید کا چھٹا سبق﴾

سوال: صفات کا شرعی مفہوم سمجھنے کے لیے تیسری حقیقت کی وضاحت کریں؟

جواب: قرآن کریم میں کئی ایسی صفات ہیں، کہ وہ صفات و کمالات اللہ کے پیاروں کے لیے قرآن
کریم میں ثابت ہیں۔ لیکن دیگر آیات میں انہیں صفات کی کفار، مشرکین، منافقین اور بُھوں کے لیے نفی
کی گئی ہے، یعنی اللہ کے دوستوں اور دشمنوں کے لیے احکام و صفات الگ الگ ہیں۔ بے شک اللہ کریم
کے دوست (انبیاء کرام، اولیاء کرام) بھی مخلوق ہیں۔ اور اُس کے دشمن (کفار و مشرکین) بھی مخلوق
ہیں۔ یاد رہے کہ مخلوق کا لفظ استعمال ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ (نعوذ باللہ) کہ دونوں کی صفات و احکام
بھی ایک جیسے ہوں۔ یہ ضابطہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ اللہ کریم کے دوستوں کے لیے الگ احکام
ہیں۔ اور اُس کے دشمنوں کے لیے الگ احکام ہیں۔

سوال: قرآن کریم سے کفار و مشرکین اور مومنین کے لیے الگ الگ احکام کی چند مثالیں دیں؟

جواب: اللہ کے پیاروں اور بتوں کافروں کے لیے الگ الگ احکام کی پہلی مثال:

قرآن کریم میں بُھوں کی بے بسی بیان کرتے ہوئے: سورۃ الحج آیت: ۷۳ میں ارشادِ باری ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوْ اجْتَمَعُوْا لَهٗ

ترجمہ: بیشک اللہ کے علاوہ جن (بُھوں) کو تم (معبود سمجھ کر) پکارتے ہو، وہ سب مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا
سکتے۔ غور فرمائیں کہ مذکورہ آیہ کریمہ میں ﴿بُھوں﴾ کی بے بسی واضح ہے۔ کہ تمام مُت مل کر ایک مکھی
بھی نہیں بنا سکتے۔ یاد رہے کہ یہ حکم صرف ﴿بُھوں﴾ کے لیے ہے۔ اللہ رب العزت کے پیاروں کے
لیے حکم الگ ہے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت: ۴۹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات کا ذکر

ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ: اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَکُمْ مِنَ الطَّیْرِ مِثْلَ الطَّیْرِ فَاَنْفِخْ

فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ط ترجمہ: بیشک میں (تمہارے سامنے) اللہ کے دیے ہوئے اذن (اختیار) سے، مٹی سے پرندے کی ہیئت (صورت) بنا کر، اُس کو دم کر کے ﴿پرندہ پیدا کر دوں گا﴾۔ غور فرمائیں کہ اس مذکورہ آیہ کریمہ میں ﴿پیدا کرنے﴾ کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ مذکورہ پہلا حکم ﴿بتوں﴾ کے لیے ہے۔ کیونکہ وہ سب مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ جبکہ مذکورہ دوسرا حکم اللہ کے پیاروں کے لیے ہے۔ کہ اُن کی صرف ایک پھونک میں اتنا کمال ہے، کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے اذن (اختیار) سے پرندے پیدا فرما دیتے ہیں۔

اب معلوم ہوا کہ مذکورہ بتوں کے حکم والی پہلی آیہ کریمہ کو پڑھ کر اللہ رب العزت کے پیاروں پر چسپاں کرنا مذکورہ دوسری آیت کا انکار ہے نیز اللہ رب العزت کے پیاروں کی بے ادبی اور توہین بھی ہے۔

﴿اللہ کے پیاروں اور بتوں کافروں کے لیے الگ الگ احکام کی دوسری مثال﴾
سورۃ التوبہ آیت: ۱۲۹ میں ارشادِ ربّانی ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ط ترجمہ: پس اگر وہ (کافر ہدایت کی دعوت قبول کرنے سے) منہ پھیریں، تو آپ فرمادیں، کہ میرے لیے اللہ (رب العزت کی مدد) ہی کافی ہے۔ جبکہ سورۃ انفال آیت: ۶۴ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ط ترجمہ: اے شان والے نبی (ﷺ) آپ کے لیے اللہ (رب العزت) کی اور آپ کی اتباع (پیروی) کرنے والے کی مدد کافی ہے۔

فائدہ: غور فرمائیں کہ مذکورہ آیہ کریمہ میں مجازی طور پر ﴿کافی ہونے﴾ کی نسبت رسول کریم ﷺ کے غلاموں کی طرف بھی ہے۔

﴿اللہ کے پیاروں اور بتوں کے لیے احکام الگ الگ ہونے کی تیسری مثال﴾

قرآن کریم میں سورۃ النساء آیت: ۱۳۹ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ط

ترجمہ: بیشک ساری عزتیں فقط اللہ کے لیے ہیں۔ مذکورہ آیہ کریمہ کی آڑ میں بعض لوگوں نے کم علمی کی

وجہ سے محبوبانِ خدا کی عزت و احترام کی نفی کی۔ اور مذکورہ آیہ کریمہ کے خود ساختہ مفہوم کو توحید کے لیے لازمی شرط قرار دے دیا۔ حالانکہ پوری آیہ کریمہ پڑھنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے، کہ نفی تو فقط (کفار) کے معزز ہونے کی ہے۔ اللہ ربُّ العزت کے پیاروں کے لیے حکم اور ہے۔ جیسا کہ سورۃ المؤمنین آیت: ۸ میں ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُتَّقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ: اور اللہ (ربُّ العزت) بلند عزت والا ہے اور اُس کا (شان والا) رسول ﷺ بلند عزت والا ہے اور خاص مومنین بلند عزتوں والے ہیں، لیکن جن کے دلوں میں نفاق ہے، انہیں اس (حقیقت) کا علم نہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ مذکورہ پہلی آیہ کریمہ میں معزز ہونے کی نفی والا حکم فقط (کفار) کے لیے ہے۔ جبکہ مذکورہ دوسری آیہ کریمہ والا حکم اللہ ربُّ العزت کے پیاروں کے لیے ہے۔

اللہ کے پیاروں اور بتوں، کافروں اور مشرکوں کے لیے احکام و صفات الگ الگ ہونے کی دیگر مثالیں اسی طرح قرآن کریم میں کفار و مشرکین کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت: ۱۶۶ میں ارشاد بانی ہے کہ:

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا ۝

ترجمہ: (اے محبوب ﷺ) یاد کریں، کہ جب قیامت کے دن پیشوا اپنی پیروی کرنے والوں سے برأت کا اظہار کریں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے لیے حکم یہ ہے، کہ ان کی دوستی قیامت کے دن بھی برقرار رہے گی۔ جیسا کہ سورۃ الزحرف آیت: ۶۷ میں ارشاد بانی ہے کہ: لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝

”گہرے دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے متقی پرہیزگار لوگوں کے۔“

فائدہ: معلوم ہوا کہ پیروی کفر و شرک اور گناہ میں جائز نہیں۔ جبکہ وہ راستہ جو اللہ ربُّ العزت کی معرفت و محبت اور توحید کی چاشنی تک پہنچا دے اس میں کامل رہبر کی پیروی جائز ہے۔ شکوک و شبہات میں جہلا افراد کو سورۃ لقمان آیت: ۱۵ پر غور کرنا چاہیے۔

جیسا کہ سورۃ فاطر آیت: ۱۳ میں بتوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ کج روی پر چھلکے کے برابر بھی کسی

چیز کے مالک نہیں۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنے غلاموں کو جنت تقسیم فرما رہے ہیں۔

اسی طرح مسلم شریف کتاب الصلوٰۃ باب فضل السجود میں حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ:

سَلِّ، فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ: أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ، فَقُلْتُ هُوَ ذَاكَ، قَالَ: فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ۔

ترجمہ: مانگ! پس میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کا پڑوس مانگتا ہوں۔ تو آپ نے پوچھا: کہ کیا اس کے علاوہ بھی کچھ چاہیے۔ میں نے عرض کیا: کہ صرف یہی چاہیے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کثرت سجدوں سے اپنے نفس کے خلاف میری مدد کر۔ یعنی اپنے مطلب کے حصول کیلئے سجدوں کی کثرت کرو۔

سوال: کیا کفار و مشرکین والی آیات پڑھ کر، وہی حکم اللہ کے پیاروں پر لگانا بہت بڑا جرم ہے؟

جواب: جی ہاں: ایسا کرنا اتنا بڑا گناہ ہے، کہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ کی تحقیق کے مطابق کفار والی آیات پڑھ کر، وہی کفار والا حکم، خاص مومنین (انبیاء کرام، اولیاء کرام) پر لگانا خوارج کی خاص نشانی ہے۔ یعنی کفار (کے حکم) والی آیات پڑھ کر، وہی حکم خاص مومنین (انبیاء کرام، اولیاء کرام) پر لگانا، صرف حلال و حرام کا مسئلہ نہیں، بلکہ کفر اور اسلام کا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ: باب التحریض علی قتل الخوارج میں روایت کی عبارت یوں ہے۔ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللَّهِ وَقَالَ إِنَّهُمْ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتِ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ انتہائی غور طلب بات: حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تحقیق کو خوارج کے بارے میں باقاعدہ باب (chapter) بنا کر، اُس میں اس حدیث پاک کو لائے ہیں۔ اور صاحب مسلم شریف بھی یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ: باب التحریض علی قتل الخوارج میں باقاعدہ خوارج کا عنوان بنا کر یہ حدیث پاک لائے۔

فائدہ: واضح ہوا کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ اور صاحب مسلم شریف کے نزدیک بھی

کفار (وشرکین کے حکم) والی آیات پڑھ کر وہی کفار والا حکم خاص مومنین (انبیاء کرام، اولیاء کرام) پر لگانا خوارج کی خاص نشانی ہے۔ جس کے بعد امت مسلمہ کو غور کرنا چاہیے کہ یہ غلیظ عادت کن لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ لہذا بہر صورت ایسے لوگوں سے بچنا چاہیے جن کے اندر یہ غلیظ ترین عادت پائی جاتی ہے۔ فائدہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ بریلوی حضرات کے کھاتے میں سب کچھ ڈال دینا بہت بڑا بہتان ہے۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تو عادت مبارکہ تھی کہ وہ خوارج کی اس حرکت سے لوگوں کو خبردار کرتے رہتے تھے۔ نیز صاحبان بخاری و مسلم کا باقاعدہ خوارج کا عنوان بنا کر ان کی اس غلیظ عادت کا حدیث پاک کی روشنی میں لانا اور امت مسلمہ کو خبردار کرنا یہ سب کچھ بریلویوں کے کھاتے میں ڈال کر جھوٹ بول کر کسی کا غلط تعارف کروانا اور امت مسلمہ کو ان عشاق سے متنفر کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ الحمد للہ: یہاں چھٹا سبق مکمل ہوا۔ اب ہم ساتویں سبق میں اس اہم ترین مسئلہ کی وضاحت کریں گے۔ کہ اللہ سے سب کچھ ہونے، اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنا، درجنوں قرآنی آیات کا انکار ہے۔ جیسا کہ ہمارے گرد و نواح بستر لے کر پھرنے والی جماعت اس عقیدے کے ذریعے کفریہ (جبریہ) عقیدہ پھیلا رہی ہے۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا ساتواں سبق﴾

سوال: کیا کلمہ شریف کا مفہوم بگاڑ کر شکوک و شبہات میں مبتلا کیا جاسکتا ہے؟
جواب: بعض لوگ کلمہ شریف پڑھنے کے بعد یہ بات کہہ جاتے ہیں: کہ اللہ کی طرف سے سب کچھ ہونے اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا نظریہ (نعوذ باللہ) جب پختہ ہو جائے تو ایمان مضبوط ہو جاتا ہے۔ یہ جملہ کہنا سینکڑوں قرآنی آیات کا انکار ہے۔

سوال: کیا سب کچھ اللہ سے ہونے کا عقیدہ رکھنا اللہ رب العزت کی توہین ہے؟
جواب: سب کچھ اللہ کی طرف سے ہو جانے کا نظریہ، اللہ رب العزت کی توہین ہے۔ اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کے نظریے میں، اللہ کے پیاروں کی عظمت و کمالات کا انکار ہے، کیونکہ یہ جبریہ عقیدہ ہے۔ اور جبریہ عقیدہ رکھنے والوں کو رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کے مجوسی قرار دیا ہے۔ بے شک ہر چیز کا حقیقی

خالق اللہ رب العزت ہی ہے۔ چاہے وہ خیر ہو یا شر ہو، لیکن کسب یعنی کر گزرنے (فعل کا واقعہ ہو جانا) بندے سے ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اگر بندہ سے خیر کا کام ہو تو وہ اللہ کے فضل کے شامل حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر شر یعنی برائی ہو جائے، تو وہ انسان کے نفس کی خرابی کی وجہ سے ہے۔ سب کچھ میں شر اور برائی بھی داخل ہے۔ لہذا: اُسے اللہ کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء آیت: ۷۹ میں ارشاد ربانی ہے کہ: مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ط ترجمہ: (اے سننے والے) تجھے جو بھلائی پہنچے، وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو برائی پہنچے، وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

سوال: کیا مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنے سے محبوبان خدا کی توہین لازم آتی ہے؟
جواب: جی ہاں! مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنا اللہ کے پیاروں کی عظمت و کمالات کا انکار ہے۔ کیونکہ مخلوق میں سے سب سے اعلیٰ ترین مخلوق انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ یوسف آیت: ۹۶ گواہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے کرتہ سے بہت کچھ ہو سکتا ہے، یعنی اس کے ذریعے سے آنکھوں کی بینائی لوٹ آنے کا خود رب کریم نے ذکر فرمایا ہے۔

سوال: کیا مشرکین جبریہ عقیدہ رکھنے والے تھے؟ قرآن کریم سے وضاحت کریں؟
جواب: قرآن کریم نے جبریہ عقیدہ مشرکوں کی طرف منسوب فرمایا: جیسا کہ سورۃ الانعام آیت: ۱۳۸ میں ارشاد ربانی ہے کہ۔ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا ط ترجمہ: عنقریب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔
پھر آگے اسی آیہ کریمہ میں فرمایا:

كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط اسی طرح ان سے پہلے (مشرکوں) نے بھی جھٹلایا تھا۔
سوال: مخلوق سے کچھ نہ ہونے کے نظریہ سے جو مخلوق کے کسب کا انکار ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں قرآنی دلائل بیان کریں؟

جواب: سورۃ الرعد آیت: ۱۱ میں ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط

ترجمہ: بے شک اللہ کسی قوم کی حالت تب تک نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

اسی طرح سورۃ البقرہ آیت: ۲۸۶ میں ارشاد بانی ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط

ترجمہ: اسی کا فائدہ ہے جس نے نیکی کی اور اس کا نقصان ہے جس نے برائی کی۔

اسی طرح سورۃ واقعہ آیت: ۲۴ میں ارشاد بانی ہے۔ جَزَاءُ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ط

ترجمہ: صلہ ان کے اعمال کا جو وہ کرتے تھے۔

اسی طرح سورۃ المزمل آیت: ۱۹ میں ارشاد بانی ہے۔ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ط

ترجمہ: پس جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ (تلاش کر) لے۔

فائدہ: ان تمام مذکورہ قرآنی آیات میں نیکی اور برائی کے واقع ہونے کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی

ہے۔ اگر العیاذ باللہ: مخلوق کی طرف سے کچھ بھی نہیں تو؟ قیامت کے دن جزا و سزا کس بات کی۔

لہذا: واضح ہو گیا کہ مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا نظریہ قرآنی آیات کا انکار ہے۔ نیز مخلوق سے کچھ نہ ہونے

کا نظریہ اس رسالہ میں مذکورہ تقریباً ساٹھ سے ستر فیصد قرآنی آیات کا انکار ہے۔

الحمد للہ: یہاں ساتواں سبق مکمل ہوا۔ اب آٹھویں سبق میں یہ بیان ہے، کہ علم تصوف اور حقیقی صوفیاء

کرام کا بعض لوگوں کی طرف سے انکار کرنا حقیقت و مجاز کے فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا آٹھواں سبق﴾

سوال: کیا علم تصوف اور حقیقی صوفیاء کرام کا انکار کرنے سے قرآنی آیات کا انکار لازم آتا ہے؟

جواب: سورۃ البقرہ آیت: نمبر ۱۵۱ میں ارشاد بانی ہے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَیْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّیْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ط

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے تمہیں (انسانوں) میں سے، تمہاری طرف شان والا رسول بھیجا،

وہ تمہارے سامنے ہماری آیات تلاوت کرتا ہے، اور تمہارا تزکیہ (باطن کو پاک) کرتا ہے، اور وہ تمہیں

کتاب و حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جس طرح کتاب کی تعلیم دینا پیارے آقا ﷺ کی شان ہے اسی طرح تزکیہ کرنا یعنی

دلوں کو صاف کر کے منور کرنا بھی رسول کریم ﷺ کی شان ہے۔

علم تزکیہ میں رسول کریم ﷺ کے وارث حقیقی صوفیاء کرام ہیں۔ اگرچہ رسم و رواج کے غلبہ کی وجہ سے حقیقی صوفیاء کرام یعنی اولیاء کرام تقریباً ہر دور میں رسم و رواج کی کثرت کے لحاظ سے بہت کم محسوس ہوتے ہیں۔ تاہم مطلقاً علم تزکیہ کا انکار ایک طرف تو رسول کریم ﷺ کی شان کا انکار ہے۔ جبکہ دوسری طرف اولیاء اللہ کی شان کا بھی انکار ہے۔

سوال: کیا علم تصوف کا تعلق دلوں سے ہوتا ہے؟

جواب: یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ علم ظاہر کا تعلق زبان سے ہے، جبکہ علم باطن کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ القیامہ، آیت نمبر ۱۶ میں زبان سے یاد کرنے کا ذکر ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝

ترجمہ: اے محبوب ﷺ، آپ اس کو جلدی یاد کرنے کی غرض سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔

جبکہ سورۃ الشعراء، آیت نمبر ۱۹ میں آپ ﷺ کے دل مبارک پر قرآن کریم کے حقائق (انوارات) کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝ ترجمہ: آپ کے دل پر قرآن کریم (کی حقیقت کو) نازل کیا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں ہو جائیں۔

سوال: ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، قرآن کریم میں یہ حکم باری تعالیٰ کس قبیلے کے بارے میں نازل ہوا۔ جس قبیلے کے ظاہری احوال تقریباً مسلمانوں والے تھے؟

جواب: قبیلہ بنو سعد جن کے ظاہری احوال و طریقہ تقریباً مسلمانوں والا ہی تھا، لیکن قرآن کریم نے اُن کے دلوں تک ایمان پہنچنے کو مسترد کر دیا۔ جیسا کہ سورۃ الحجرات، آیت: نمبر ۱۴ میں ارشادِ ربّانی ہے۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۝ ترجمہ: اور ابھی تک ایمان (کا نور) تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

سوال: کیا محبوبانِ خدا کی طرف دلوں کو منور کرنے کی نسبت کرنا درست ہے؟

جواب: سورۃ البقرۃ آیت: ۲۵ میں ہے کہ (دلوں کو) ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لانا اللہ کریم کی

شان ہے۔ جبکہ رب کریم نے اپنے محبوبوں کے لیے بھی متعدد آیات میں یہ شان بیان فرمائی۔
جیسا کہ سورۃ ابراہیم کے شروع میں ارشادِ ربّانی ہے۔

الرَّحْمٰنُ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط

ترجمہ: ہم نے کتاب (قرآن کریم) کو آپ کی طرف نازل فرمادیا، تاکہ آپ لوگوں کو ظلمت (اندھروں) سے نکال کر نور (ہدایت) کی طرف لائیں۔

معلوم ہوا کہ علمِ شریعت یا علمِ تزکیہ (علمِ باطن) میں سے کسی ایک کا انکار کرنا، ایک طرف تو قرآن کریم کی درجنوں آیات کا انکار ہے۔ جبکہ دوسری طرف رسول کریم ﷺ کی شان کا بھی انکار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ، علمِ ظاہر و باطن دونوں علوم کے مُعَلِّم (سیکھانے والے) ہیں۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں کے لیے کافی ہونے کی نسبت کرنا جائز ہے؟

جواب: حقیقی مددگار صرف اللہ ربُّ العزت ہے۔ حقیقی مدد کے لحاظ سے کافی ہونا، صرف اللہ کریم کی شان ہے۔ جبکہ اولیاء اللہ صفات باری تعالیٰ مظہر ہیں۔ اور مجازی مددگار کے نظریے سے ان کے لیے کافی ہونے کا عقیدہ رکھنا درست ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانفال آیت: ۶۴ میں ارشادِ ربّانی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ط

ترجمہ: اے شان والے نبی! آپ کے لیے اللہ اور آپ کی پیروی کرنے والے کی مدد کافی ہے۔

سوال: کیا اولیاء اللہ، صوفیائے کاملین صفات باری تعالیٰ کا مظہر ہوتے ہیں؟

جواب: بخاری شریف، کتاب الرقائق، باب التواضع میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا، فَقَدْ اذْنَتْهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي، يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى اُحِبَّهُ، فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا۔

ترجمہ: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اور میرا بندہ ایسی کسی چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا، جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو۔ اور میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے

میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔“ فائدہ: معلوم ہوا کہ کچھ خاص ہستیاں صفات باری کا مظہر ہوتے ہیں۔ جنہیں حقیقی صوفیاء یعنی اولیاء اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ جن کی زیارت کر کے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ گناہوں کی نفرت اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کے مطابق زندگی گزارنے کا شوق نصیب ہوتا ہے۔

نوٹ: علم تصوف کے بغیر اس حدیث پاک کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس حدیث پاک سے کوئی یہ نہ سمجھ لے، کہ ”نعوذ باللہ“ اللہ رب العزت ان کی آنکھ، کان، اور ہاتھ وغیرہ میں داخل ہو گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے، کہ اللہ کے پیاروں کا وجود صفات باری تعالیٰ کا مظہر بن جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کا کسی چیز میں سرايت کرنا محال ہے۔

سوال: حقیقی صوفیاء کرام کی زیارت سے کوئی روحانی فائدہ ہونا کسی معتبر روایت سے ثابت ہے؟
جواب: بیہقی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيْحُ لِذِكْرِ اللّٰهِ اِذَا رُوُوْا اَذْكِرَ اللّٰهُ۔

ترجمہ: کہ یقیناً بعد لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی چابیاں ہوتے ہیں، جب (بھی) انہیں (محبت و جستجو سے) دیکھا جائے، تو اللہ کا ذکر نصیب ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، میں حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ قَالُوْا: بَلٰی، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: خِيَارُكُمْ الَّذِيْنَ اِذَا رُوُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ۔
ترجمہ: کیا میں تمہیں سب سے بہتر لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں: تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں، کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے یعنی اللہ کی یاد نصیب ہو جائے۔

فائدہ: حقیقی صوفیاء کی علامت اور نشانی کے ساتھ تو یہ بھی معلوم ہوا، کہ ان کی زیارت کر کے اللہ کریم کا

ذکر نصیب ہو جاتا ہے۔ جسے حیات قلب بھی کہتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے جلد دوم مکتوب ۹۲ میں لکھا ہے، کہ خواص کے نزدیک مردہ دل زندہ کرنا، مردہ زندہ کرنے سے افضل ہے۔

سوال: صوفیائے کرام کی تربیت کا نچوڑ اختصار سے بیان کریں؟

جواب: دو چیزیں ہر دور کے اولیاء اللہ کی تربیت کا خصوصی مرکز ہیں، جن کے لیے وہ کوشاں رہے۔

(۱)۔ لوگ شرعی آداب سے موزین صحیح اسلامی عقیدہ توحید پر استقامت اختیار کریں۔

(۲)۔ رسول کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے پھیلنے والا نسبت والا نور اُمتِ مسلمہ کے دلوں میں سرایت

کر جائے۔ تاکہ ان کے دلوں میں گناہ کی نفرت اور اطاعت الہی کا شوق پیدا ہو۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ جس خوش نصیب کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں گی، وہ خوشی خوشی، ذوق و شوق

سے اپنے جسم پر نظامِ مصطفیٰ ﷺ نافذ کرنے کے بعد اپنے گھر، محلے اور ملک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ

نافذ کرنے کے لیے انتہائی مخلص کارکن ثابت ہوگا۔ الحمد للہ: یہاں آٹھواں سبق مکمل ہوا۔ اب نوویں

سبق میں قرآن و سنت کی روشنی میں نسبت کی اہمیت کے بارے میں وضاحت ہوگی۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا نواں سبق﴾

سوال: کیا نسبت کی اہمیت کو تسلیم کرنا ضروری ہے؟

جواب: قرآن کریم میں سورۃ الکہف آیت: ۸۲ میں ایک صالح (اللہ کے ولی) کی نسبت کی وجہ سے

اولاد کے خزانے کی حفاظت کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۃ کہف آیت: ۱۸ میں اولیاء اللہ کی سنگت اور

نسبت کی وجہ سے ایک ادنیٰ ترین مخلوق کتے کے معزز ہونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۃ الاحزاب

آیت: ۳۲ میں رسول کریم ﷺ کی زوجیت کی نسبت کی وجہ سے ازواجِ مطہرات کے لیے جہاں بھر کی

عورتوں سے بے مثل ہونے کا ذکر ہے۔

اسی طرح سورۃ یوسف آیت: ۹۶ میں ایک بے جان کرتے سے ایک نبی (حضرت یوسف

علیہ السلام) کی نسبت کی وجہ سے شفاء ظاہر ہونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۃ آل عمران آیت: ۱۱۰ میں

امام الانبیاء ﷺ کی نسبت کی وجہ سے تمام امتوں سے بہترین امت ہونے کا ذکر ہے۔

فائدہ: بلا مبالغہ یہ سب رسول کریم ﷺ اور دیگر محبوبان بارگاہ کی نسبت کی وجہ سے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نسبت کی اہمیت کا انکار قرآنی نظریات کا انکار ہے۔

یہ بات اہل علم پر روز روشن کی طرح واضح ہے، کہ جس کو رسول کریم ﷺ سے نسبت ہو

جائے وہ عظمت والا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت: ۱۱۰، سورۃ الاحزاب آیت: ۱۳۲، سورۃ

التین آیت: ۳، سورۃ البلد آیت: ۱ سے واضح ہے۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو دل و جان سے

ماننے والے رسول کریم ﷺ کی ہر نسبت کا ادب و احترام بھی کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ تمام

اہل نسبت ہستیوں کو عظمت و فضیلت رسول کریم ﷺ کی نسبت کی برکت سے نصیب ہوئی۔

سوال: رسول کریم ﷺ کے والدین کے بارے میں علمائے ربانی کی کچھ تحقیقات بیان کریں؟

جواب: حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول کریم ﷺ کے والدین کے ایمان کے

بارے میں غلط فہمیاں دور کرنے کیلئے متعدد رسالے لکھے۔ صاحب کتاب الوفا اور ملا علی قاری نے مرکاۃ

شرح شکوۃ میں (جو شرح سواچار سو سال پہلے لکھی گئی) اس میں رسول کریم ﷺ کے والدین شریفین کے

ایمان کی صراحت فرمائی۔ اختصار کے ساتھ مرکاۃ سے چند کلمات کا خلاصہ یہ ہے

کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی ماں کا خواب ہوں۔ جو انہوں نے میری پیدائش

کے وقت دیکھا۔ آپ ﷺ کی والدہ نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا۔ جس سے ان کیلئے شام کے

محلات روشن ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ نے حضور کی ولادت کے وقت دیکھا۔ کہ ایک آنے

والا آیا۔ اور اس نے عرض کیا: کہ آپ کہیے کہ میں اس (مولود) کو واحد ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) کی پناہ

میں دیتی ہوں، ہر حاسد کے شر سے۔ اور جب آپ حاملہ تھیں۔ اس وقت ایک آنے والا (فرشتہ) آیا،

اور اس نے کہا: کہ کیا آپ کو پتہ ہے، کہ آپ اس امت کے سردار اور نبی کی حاملہ ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے والدین آقا ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے دین فطرت پر وصال

فرمایا۔ رسول کریم ﷺ کے والد گرامی کا نام ہی غلط فہمیوں کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ جو کہ عبد اللہ ہے۔ جس

کا معنی بنتا ہے۔ اللہ کا بندہ۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ کہ کافر اور مشرک کے لیے مغفرت کی

دعا کرنا جائز نہیں۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا سے منع کیا گیا۔
 اگر (العیاذ باللہ) رسول کریم ﷺ کے والدین دین فطرت پر نہ ہوتے۔ تو اللہ کریم نماز میں اس دعا ربَّنَا
 اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ۔۔۔۔۔ سے منع فرما دیتا۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے خود اس دعا کو نماز کا حصہ بنایا۔

سوال: رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں کیسا نظریہ ہونا چاہیے؟

جواب: رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو اللہ رب العزت نے مومنوں کی روحانی مائیں قرار دیا۔
 جن کا تعارف قرآن کریم عظمت کے ساتھ کروائے، قرآن کریم کو ماننے والا اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

ازواج مطہرات پر نعوذ باللہ تنقید کرنے سے سورة الاحزاب آیت: ۲۳-۳۳، سورة النساء

آیت: ۴۳، سورة النور آیت: ۱۱ تا ۲۰ کا انکار ہو جاتا ہے۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ روحانی ماؤں کے فضائل
 تسلیم کیے بغیر پورے قرآن کریم پر ایمان لانا ممکن نہیں۔

سوال: کیا خلفائے راشدین سے محبت رکھنا اور ان کی فضیلت کا اعتراف کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے؟

جواب: ہر مسلمان پر رسول کریم ﷺ کی نسبت کی وجہ سے خلفائے راشدین سے محبت رکھنا لازم ہے۔
 یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ خلفائے راشدین پر تنقید کرنے سے سورة الفتح آیت: ۱۶۔ سورة
 النور آیت: ۵۵۔ سورة الحشر آیت: ۸ کا انکار لازم آتا ہے۔

سوال: کیا تمام صحابہ کرام سے محبت رکھنا ضروری ہے؟

جواب: صحابہ کرام علیہم رضوان کی محبت و عقیدت ایمان کے لیے انتہائی لازم ہے۔ کیونکہ اللہ کریم نے
 صحابہ کرام کا تعارف جن القابات سے کروایا: وہ کلام الہی کا حصہ ہیں۔ اور کلام الہی پر ایمان رکھنا لازم
 ہے۔ صحابہ کرام پر تنقید کرنے سے جن آیات کا انکار لازم آتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

سورة البقرة آیت: ۲۱۸۔ سورة البقرة آیت: ۱۳۷۔ سورة الحجرات آیت: ۷۔ سورة التوبة

آیت: ۱۰۰۔ سورة النساء آیت: ۹۵۔ سورة الحشر آیت: ۹۔ سورة الانفال آیت: ۴۔ سورة البينة آیت:

۸۔ سورة السباء آیت: ۴ سمیت دیگر کئی قرآنی آیات شامل ہیں۔

سوال: کیا ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں؟

جواب: قرآن کریم میں اگر تھوڑا سا غور کیا جائے، تو معلوم ہو جاتا ہے، کہ ازواج رسول ﷺ بھی اہل

بیت میں شامل ہیں۔ اگر ”نعوذ باللہ“ ازواج رسول ﷺ کو اہل بیت سے نہ مانیں، تو سورۃ الانبیاء آیت: ۷۶۔ سورۃ ہود آیت: ۷۳ اور سورۃ الاحزاب آیت: ۳۳ سے نظریات کا تصادم لازم آتا ہے۔

سوال: رسول کریم ﷺ کے اہل بیت سے عقیدت کس قدر ضروری ہے؟

جواب: رسول کریم ﷺ کے اہل بیت کی محبت بھی اصل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے۔ صحاح ستہ کی متعدد روایات کے مطابق حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تھوڑا سا بھی غور کر لیا جائے، کہ ان شہزادوں کو جنت کی سرداری تقریباً ۴ سے ۵ سال کی عمر میں مل گئی۔ یہ عمر عام طور عبادت و ریاضت کی نہیں ہوتی۔ بلا مبالغہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو اس عمر میں سرداری رسول کریم ﷺ کی خاص نسبت کی وجہ سے نصیب ہوئی۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اہل بیت اطہار کی فضیلت و محبت سے منہ پھیرنے سے سورۃ آل عمران آیت: ۶۱۔ سورۃ الاحزاب آیت: ۳۳ سمیت دیگر قرآنی آیات کا انکار لازم آتا ہے۔

سوال: صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ علیہم کے بارے میں عوام الناس میں غلط فہمیاں کیوں پائی جاتی ہیں؟

جواب: بعض کم علم لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ صحابہ کی شان تب ثابت ہوگی، کہ جب اہل بیت میں سے حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کو محل نظر بنا دیا جائے۔ حالانکہ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اعلیٰ شان کے صحابی ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں نے اہل بیت کی شان ثابت کرنے کے لیے صحابہ کرام کی بے ادبی کو لازمی قرار دیا۔ حالانکہ انعام یافتہ گروہ کا نظریہ فقہ اکبر میں یوں لکھا ہے۔
تَوَلَّیْ هُمْ جَمِیْعًا ترجمہ: ہم سب سے دوستی (محبت) رکھتے ہیں۔

سوال: کیا صحابہ کرام یا اہل بیت اطہار کے درمیان کوئی ناہمواریات بیان کرنا جائز ہے؟

جواب: رسول کریم ﷺ کی تمام متبرک نسبتوں کا ذکر صرف محبت سے جائز ہے۔ اگر بعد میں آنے والے کروڑوں ولی بھی جمع ہو جائیں، تو ایک ادنیٰ صحابی کی شان کو نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی کی نظر سے بھی دیکھنا چاہیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نوکری کے بڑے بڑے دعوے کرنے والے، ان

ہستیوں کی صحابیت سے بے خبر کیوں ہیں؟ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار ایک ہی گلشن کے پھول ہیں۔ ان کے بارے میں ناہموار بعض معاملات غلط فہمی سے ہوئے۔ اس سے آگے کچھ کہنے کی شریعت میں اجازت نہیں۔ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کو ایک دوسرے کی ضد سمجھنے سے سورۃ الفتح آیت: ۲۹۔ سورۃ الانفال آیت: ۴۔ سورۃ الحشر آیت: ۸ سمیت دیگر کئی آیات کا انکار لازم آتا ہے۔

سوال: صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے درمیان تاریخی ناہموار واقعات کو کس نظر سے دیکھا جاتے؟
جواب: شریعت مصطفیٰ ﷺ کے آئینے میں صرف وہی تاریخی واقعات معتبر ہیں۔ جو کہ قرآن کریم، معتبر روایات اور انعام یافتہ لوگوں کی تحقیقات کے مطابق ہوں۔ ایسے تاریخی واقعات کہ جن سے قرآنی آیات یا شرعی آداب کا انکار لازم آئے۔ ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ تاریخ لکھنے والوں سے غلطیاں ثابت ہیں۔ جبکہ قرآنی آیات اور کلام سرور کائنات غلطی سے پاک ہے۔

سوال: کیا رسول کریم ﷺ سے نسبت یافتہ ہستیوں کی بھی مجازی شانوں کو تسلیم کرنا ضروری ہے؟
جواب: صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور اولیاء اللہ بھی کئی مجازی شانوں کے مالک ہیں۔

جیسا کہ سورۃ الانفال آیت: ۷ میں ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ط ترجمہ: تو تم نے انہیں قتل نہ کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اسی طرح سورۃ الانفال آیت: ۶۴ میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط ترجمہ: اے شان والے نبی: تمہارے لیے اللہ (رب العزت) اور آپ کی پیروی کرنے والے کی مدد کافی ہے۔

اسی طرح سورۃ التحریم آیت: ۴ میں ہے۔ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ جِبْرِيلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ط ترجمہ: تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے۔

الحمد للہ: یہاں نوواں سبق مکمل ہوا۔ اب دسواں سبق شروع کرتے ہیں جس میں اس بات کی وضاحت ہوگی کہ من دون اللہ سے مراد وہ بت ہیں، جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے تھے۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا دسواں سبق﴾

سوال: کیا قرآن کریم میں (من دون) اللہ کا لفظ اللہ کے پیاروں کے لیے استعمال ہوا ہے؟

جواب: ”من دون اللہ“ کی وضاحت سمجھنے سے پہلے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا ضروری ہے، کہ اللہ رب العزت خالق ہے اور اس کے پیارے اس کی مخلوق ہیں۔ اُس کی جُز یا اس کا حصہ نہیں ہیں۔ محبوبانِ خدا: صفات باری تعالیٰ کا مظہر ہونے کی وجہ سے من دون اللہ میں شامل نہیں ہیں۔ جبکہ کفار و مشرکین صفات باری تعالیٰ کا مظہر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ”من دون اللہ“ ہیں۔

جیسا کہ سورۃ الانعام آیت: ۷۰ میں ارشادِ بانی ہے کہ: لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ط ترجمہ: اللہ کے سوا اس کا نہ کوئی حمایتی ہو گا نہ سفارشی۔

اسی طرح سورۃ توبہ آیت: ۱۱۶ میں ہے کہ: وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ط ترجمہ: اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی والی اور مددگار نہیں۔

تھوڑا سا غور فرمائیں کہ والی اور مددگار ہونے کی نفی مشرکوں کے لئے کی گئی۔ لیکن مومن وہ ہے، کہ جس کا تعارف کرواتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ مومن یہ دعا کرتے ہیں۔

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ط وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ط

اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی بنادے اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار بنادے۔

اسی طرح سورۃ محمد آیت: ۱۰ میں ہے۔ ذَالِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ط ترجمہ: یہ اس لئے کہ مسلمانوں کا مولیٰ اللہ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔

اسی طرح سورۃ التحریم آیت: ۴ میں ہے کہ: فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ط ترجمہ: توبے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے۔

﴿دون اللہ سے مراد کفار و مشرکین ہیں اس پر قرآن کریم سے دوسری مثال﴾

سورۃ المدثر آیت: ۴۸ میں ارشادِ بانی ہے کہ۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشُّفَعَاءِ ط

ترجمہ: تو انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت (سفارش) فائدہ نہ دے گی۔

اسی طرح سورۃ الزمر آیت: ۴۳ میں ہے کہ۔ اَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ط

ترجمہ: کیا انہوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں۔

اسی طرح سورۃ الزمر آیت: ۴۴ میں ہے کہ۔ قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ط

ترجمہ: تم فرماؤ شفاعت تو سب اللہ کے (بلا کیف) ہاتھ میں ہے۔

جبکہ اللہ رب العزت کے پیارے اُس کے اذن، سے شفاعت کریں گے۔

جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت: ۲۵۵ میں ارشادِ باری ہے کہ: مَنْ ذَٰلِ الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ط

ترجمہ: وہ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر جسے وہ (خود) اجازت عطا فرمائے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ من دون اللہ کا حکم اللہ کے محبوب بندوں پر لگانا بہت بڑی خیانت ہے۔

سوال: کیا اللہ کے پیاروں کو (من دون اللہ) کہنا ان کی توہین ہے؟

جواب: قرآن کریم کی سورۃ الصّٰفّٰتِ آیت: ۲۲ تا ۲۳ میں ہے کہ

أُخْشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ط مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ

الْحَكِيمِ ط ترجمہ: ہانکو ظالموں اور ان کے جوڑوں کو اور جو کچھ وہ پوجتے تھے، اللہ کے سوا ان سب کو ہانکو

راہ دوزخ کی طرف۔

غور فرمائیں کہ اس آیہ کریمہ میں ”من دون اللہ“ کے جہنم میں جانے کا ذکر صرف ترجمہ سے واضح ہے۔

فائدہ: اگر کسی کے ذہن میں من گھڑت تصور بیٹھ جائے کہ ”من دون اللہ“ سے مراد صاحبانِ مزار

ہیں۔ تو ”نعوذ باللہ“ انکے بارے میں جہنمی ہونے کا حکم خود بخود دنگ جائے گا۔

سوال: محبوبانِ بارگاہِ الہی (من دون اللہ) میں شمار نہ ہونے کی کوئی خاص وجہ بیان کریں؟

جواب: یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ اللہ کریم خالق، اور اللہ کے پیارے اس کی مخلوق ہیں۔

نہ اس کی ذات کا حصہ ہیں، نہ ہی اس کی جز ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کریم کے پیارے اس کی

صفات کا مظہر ہونے کے اعتبار سے غیر اللہ یا من دون اللہ میں شامل نہیں۔ اہل علم پر یہ حقیقت واضح

ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف، کتاب الرقاق، باب التواضع میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا، فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا

افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ

الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرُهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدُهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلُهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا۔

ترجمہ: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اور میرا بندہ ایسی کسی چیز کی ذریعے میرا قرب نہیں پاتا، جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو۔ اور میرا بندہ نقلی عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ کچھ خاص ہستیاں صفات باری کا مظہر ہوتے ہیں۔ جنہیں حقیقی صوفیاء یعنی اولیاء اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ جن کی زیارت کر کے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ جس سے گناہوں کی نفرت اور سیرت مصطفیٰ ﷺ کے مطابق زندگی گزارنے کا شوق نصیب ہوتا ہے۔

نوٹ: علم تصوف کے بغیر اس حدیث پاک کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس حدیث پاک سے کوئی یہ نہ سمجھ لے۔ کہ اللہ رب العزت ان کی آنکھ، کان، اور ہاتھ وغیرہ میں سرایت کر گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے پیاروں کا وجود صفات باری تعالیٰ کا مظہر بن جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ رب العزت کا کسی چیز میں سرایت کرنا محال ہے۔

الحمد للہ! یہاں دسواں سبق مکمل ہوا۔ اب ہم گیارہواں سبق شروع کرتے ہیں، جس میں متشابہ آیات کا حکم اور وضاحت بیان کی جائے گی۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا گیارہواں سبق﴾

سوال: بنیادی چار حقائق میں سے چوتھی حقیقت کی وضاحت کریں؟

جواب: قرآن کریم میں اکثر ایسی آیات ہیں، جن میں احکام (مراد) واضح ہیں۔ انہیں محکم آیات کہا گیا۔ بعض آیات کو قرآن کریم نے متشابہات کہا۔ ان آیات کی کیفیت مجہول ہے۔ نیز ان آیات کا ظاہری معنی مراد لینا، یا تاویلات (اندازے) کرنا حرام ہے۔ ان آیات کی اللہ کی بارگاہ میں جو بھی مراد

ہے، اُس پر ایمان رکھنا لازم ہے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت: ے میں ارشادِ بانی ہے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
 فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيلِهِ ج وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيلَهُ اِلَّا اللّٰهُ ط
 ترجمہ: پس جن کے دلوں میں کھوٹ ہوتی ہے۔ وہ مُتشابہ آیات کو پڑھ پڑھ کر، اُن کے ذریعے فتنہ
 (ایمان لوٹنا) چاہتے ہیں، اور اُن آیات کی تاویل (من گھڑت تشریح) کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
 حالانکہ اُن (مُتشابہ آیات) کی (حقیقی) تاویل صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

سوال: مُتشابہ آیات کی خاص پہچان بیان کریں؟

جواب: اللہ ربُّ العزّت کو کسی صفت کے اظہار کے لیے آلات و اعضاء کی مُحتاجی نہیں، کیونکہ وہ جسم
 اور ہر قسم کی مُحتاجی سے پاک ہے۔ جبکہ مخلوق اپنی صفات کے لیے آلات (یعنی جسم، اعضاء، کان، آنکھ
 وغیرہ) کے حاجت مند ہیں۔ لہذا جن آیات کے ظاہری معنی میں آلات یعنی جسم، اعضاء، کان، آنکھ،
 وغیرہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونا ثابت ہو۔ وہ آیات مُتشابہات ہیں۔
 جیسا کہ سورۃ طہ، آیت: ۵ میں عرش پر ﴿استوی﴾ فرمانے کا ذکر ہے۔

الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ط وہ بہت رحم فرمانے والا جس نے عرش پر استواء فرمایا۔
 (اس کا عرش پر استوی فرمانا، بلا کیف ہے، یا اس طرح کہیں گے: کہ جیسا اس کی شان کے لائق ہے)
 اسی سورۃ الحجر، آیت: ۲۹ میں اپنی ﴿روح کے پھونکنے کا ذکر ہے﴾

فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ط

ترجمہ: اور میں اپنی طرف سے (خاص معزز) روح پھونک دوں، تو اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔
 اسی طرح سورۃ النور، آیت ۳۵ میں ﴿زمین و آسمان کی روشنی﴾ فرمانے کا ذکر ہے۔

اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔

اسی طرح سورۃ الفتح، آیت: ۱۰ میں ﴿یٰٰذَا (ہاتھ)﴾ کا ذکر ہے۔ يٰۤاَللّٰهُ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ط ان کے
 ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ آیت: ۱۱۵ میں ﴿وَجْہ (چہرہ)﴾ کا ذکر ہے۔

فَاَيْمٰنًا تَوَلَّوْا فِثْمَ وَجْہِ اللّٰهِ ط تو تم جدھر منہ کرو، اُدھر اللہ کا (بلا کیف) چہرہ ہے۔

اسی طرح سورۃ القمر، آیت: ۲۲ میں ﴿رب کے آنے کا ذکر﴾ ہے۔ اور سورۃ الزمر، آیت: ۵۶ میں اُس

کے ﴿پہلو﴾ کا ذکر ہے۔

اسی طرح سورۃ المائدہ، آیت: ۱۱۶ میں اُس کے لیے لفظ ﴿نفس﴾ کا ذکر ہے۔

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ط

ترجمہ: تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے، اور میں نہیں جانتا جو تیرے (بلا کیف) نفس میں ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ یہ سب متشابہ آیات ہیں۔ ان آیات کے بارے میں اتنا عقیدہ رکھنا ہی کافی ہے کہ یہ کلام الہی ہے۔ اس کلام سے ذات باری تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے، وہ برحق ہے۔
سوال: متشابہ آیات کی تاویل کے بارے میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر علمائے ربانی کی تحقیق بیان کریں؟

جواب: امام ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں اور تفسیر جامع البیان میں امام طبری نے جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تحقیق لائے ہیں۔

يَهْلِكُونَ عِنْدَ مُتَشَابِهِهِ ط کہ خوارج متشابہ آیات کی (من گھڑت تاویلات) کی وجہ سے ہلاک ہوئے یعنی اپنی آخرت برباد کر بیٹھے۔

امام احمد بن محمد المعروف صاحب ابوالمنتهی نے (ساڑھے چار سو سال پہلے) متشابہ آیات کے بارے میں خوبصورت وضاحت کی۔ فرماتے ہیں کہ۔ أَصْلُهَا ثَابِتٌ مَعْلُومٌ وَوَصْفُهَا مَجْهُولٌ لَّنَا فَلَا يَبْطُلُ إِلَّا صُلُّ الْمَعْلُومِ بِسَبَبِ التَّشَابِهِ وَالْعِجْزُ عَنْ إِدْرَاكِ الْوَصْفِ رَوَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ أَنَّ الْكَيْفِيَّةَ مَجْهُولَةٌ وَالْبَحْثُ عَنْهَا بِدْعَةٌ۔

کہ متشابہ آیت کی اصل (قرآن) سے ثابت و معلوم ہے۔ اور ان کا معنی ہمارے لیے مجہول ہے۔ پس اس تشابہ اور وصف کی پہچاننے سے عجز کی وجہ سے اصل و معلوم (صفات متشابہات ید، وجہ، نفس) باطل نہ ہوں گے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ (صفات متشابہات کی) کیفیت (ہمارے لئے) مجہول ہے، اور ان متشابہ آیات کے (شرعی حکم کو سمجھ لینے کے بعد ان کے) بارے میں بحث بدعت ہے۔ پس صفات متشابہات بلا کیف ہیں۔ یعنی ان کی کیفیت مجہول ہے۔
یہ بات بھی فقہ اکبر میں ہے بعض لوگوں نے مشابہہ آیات کی تاویل کرنے کی کوشش کی اور کہا: کہ اللہ کا ید

اس کی قدرت ہے، یعنی طریق کنایہ سے یا اس کا یہ اس کی نعمت ہے۔ یعنی یہ کو نعمت پر محمول کیا۔ ایسا کرنا باطل اور غلط ہے۔ اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ اللہ کا (وجہ) اسکی ذات ہے یا اللہ کی (عین) اس کی آنکھ ہے۔ اور عرش پر اس کا استواء استیلاء (احاطہ جسمی) ہے۔ کیونکہ ان تاویلات سے ان صفات کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے لیے یہ کا ذکر فرمایا: وہاں اسے مطلق رکھا یعنی اس کے ساتھ بطور بدل قدرت یا نعمت کو ذکر نہیں فرمایا: اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے،

کہ اللہ تعالیٰ نے ان صفات و مقابہات کے معانی کو ظاہر کرنے کا ارادہ ہی نہیں فرمایا۔ تاویلات کر کے صفات کا انکار کرنا دراصل اہل قدر کا عموماً اور معتزلہ کا خصوصاً طریقہ ہے۔ الحمد للہ! گیارہواں سبق مکمل ہوا۔ اب بارہویں سبق میں چند متفرق علمی حقائق پڑھیں گے۔

﴿اسلامی عقیدہ توحید کا بارہواں سبق﴾

سوال: کیا اللہ کے پیاروں سے مدد طلب کرنا جائز ہے؟ قرآن و سنت کا اس بارے کیا حکم ہے؟
جواب: قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق اللہ کے پیاروں سے، مجازی مددگار سمجھتے ہوئے، ان کی حیات ظاہری اور بعد از وصال ان سے مدد مانگنا جائز ہے۔ لیکن بہر صورت مدد طلب کرنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

سوال: اللہ کے پیاروں سے مدد مانگنے کے ثبوت پر قرآن حکیم سے چند دلائل پیش کریں؟
جواب: قرآن کریم میں سورۃ آل عمران آیت: ۵۲ میں ارشاد ربانی ہے کہ: قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَهِي اللَّهُ، قَالَ الْخَوَارِثُونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ۔

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کون ہے جو اللہ کی طرف میری مدد کرے گا۔ تو خواریثوں نے کہا: کہ ہم اللہ کے دین کے معاملات میں آپ کے مددگار ہیں۔

سوال: کیا انبیاء کرام و اولیاء کرام وصال کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں؟

جواب: حیات انبیاء کے بارے قرآن و سنت کا عقیدہ یہ ہے، کہ تمام انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ سنتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں۔ سلام کرنے

والوں کا جواب دیتے ہیں۔ مشیت الہی کے تحت جس طرح ہیں تصرف فرماتے ہیں۔ اور اپنے امتیوں کے اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کی حیات شہداء سے بھی افضل اور اعلیٰ ہے۔ یہ سب کچھ اللہ رب العزت کی مشیت اور اس کی عطا سے ہے۔

سوال: کیا حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا ثبوت معتبر احادیث سے ثابت ہے؟

جواب: مسلم شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فضائل کے باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى وَهُوَ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ۔ ترجمہ: میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا۔ تو وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث مبارک سے یہ بات واضح ہو گئی، کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور نماز بھی ادا فرماتے ہیں۔

سوال: ایمان کی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کیا قدر و قیمت ہے؟

جواب: حضرت انسان کا سب سے قیمتی خزانہ ایمان ہے۔ صحاح ستہ کی متحدہ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت انسان کا سب سے قیمتی خزانہ ایمان ہے۔ یہاں تک کہ اگر ترازو کی ایک طرف ساتوں زمینوں اور آسمانوں کے (ظاہر اور چھپے ہوئے) تمام خزانے رکھ دیے جائیں۔ اور ترازو کی دوسری صرف (کلمہ شریف) ایمان رکھ دیا جائے، تو ایمان کی قیمت (اللہ کی بارگاہ میں قدر) ان سب خزانوں سے کہیں زیادہ ہے۔

سوال: کیا درس حدیث دینے والے غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے ہیں؟ کسی معتبر حدیث پاک کا حوالہ دے کر بیان کریں؟

جواب: جی ہاں! بنیادی حقائق کا لحاظ کیے بغیر خطرہ ہی خطرہ ہے۔ جیسا کہ: بخاری شریف کتاب اِسْتِثْبَاتِ الْمُؤْتَدِّينَ کے: باب قَتْلُ الْخَوَارِجِ وَالْمُلْحِدِينَ میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کہ آخری زمانے میں ایک قوم نکلتی گی۔ يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ۔

وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان پیش کریں گے، سید المرسلین کی حدیثیں پڑھ پڑھ کر سنائیں گے۔

لَا يُحَاوِرُ إِيْمَانُهُمْ حَنَا جِرْهُمْ۔ ان کا ایمان حلق سے اوپر اوپر ہوگا۔

يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ۔

وہ اسلام سے یوں خالی نکلیں گے جیسے تیر شکار سے خالی نکلتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جب تک عقائد و نظریات درست نہ ہوں، اعمال کی قبولیت ثابت نہیں۔

سوال: عوام الناس کے عقائد کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟

جواب: عام لوگوں کو عقیدہ اُن کی صحبت، مجلس اور اُن کی معلومات کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے لوگوں کے

پاس اکثر اُٹھتا بیٹھتا ہے، ویسے ہی اُس کے نظریات ہو جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے رسول کریم ﷺ دوستی، تعلق واسطہ بنانے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کرنے کا حکم فرمایا۔

جامع ترمذی شریف میں روایت ہے: کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ ۖ ترجمہ: بندہ اپنے دوست کے

دین (نظریات) پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر ایک غور و فکر کرے، کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔

سوال: کیا اسلامی اصولوں کو سمجھے بغیر صرف ترجمہ سے امت کی اصلاح ممکن ہے؟

جواب: اسلامی اصولوں سے بالکل ناواقف بعض لوگ قرآن کریم سے جب ایک، دو آیات ترجمہ کے

ساتھ زبانی یاد کر لیتے ہیں، تو وہ پورے محلے، سکولز، کالجز میں اپنا لوہا منوانے کے چکروں میں پڑھ جاتے

ہیں۔ اسلامی اصولوں سے اتنی ناواقفیت، کہ انہیں اتنا بھی علم نہیں ہوتا، کہ جس آیہ کریمہ کا وہ ترجمہ کر رہا

ہے، اُس میں حقیقی معنی مراد ہے، یا مجازی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ، ایک بندہ قرآن کریم کی آیات سنا

سنا کر اللہ رب العزت کے محبوب بندوں کے اختیارات و کمالات کا انکار کر دیتا ہے۔

جبکہ دوسرا بندہ قرآن کریم کی آیات سنا سنا کر اللہ کے محبوب بندوں کے اختیارات

و کمالات کے بارے میں اصرار کرتا نظر آتا ہے۔ نہ انکار کرنے والے کو حقیقی یا مجازی معنی کا پتا ہے، اور نہ

ہی اصرار کرنے والے کو ان اصولوں سے کچھ غرض ہے۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ اسلامی اصولوں کو سمجھے بغیر

اپنی اور دوسروں کی اصلاح ممکن نہیں۔

سوال: کیا کامل اُستاد کی رہنمائی کے بغیر عقائد کے بارے میں کتابیں تحریر کرنا جائز ہے؟

جواب: بعض احباب کو کتابیں لکھنے، تحقیق کرنے اور عقیدہ توحید کے موضوع پر گفتگو کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے، لیکن اُن کو عقیدہ توحید کے بارے میں کسی کامل اُستاد کی رہنمائی نہیں ملتی۔ اُن کی ذاتی تحقیق کے بعد اُن کے ذہن میں جس طرح کے نظریات بیٹھ جائیں۔ وہ اُن کو اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے اُمتِ مسلمہ پر مُسلط کرنے کی مکمل کوشش کرتے ہیں۔ جو کہ فرقہ واریت کا بہت بڑا سبب ہے۔ مگر افسوس اس طرف صاحبِ اقتدار لوگوں کی توجہ ہی نہیں ہے۔

سوال: کیا توحید کے موضوع پر اسلامی سکالرز کا نظریہ آنکھیں بند کر کے قبول کر لینا چاہیے؟

جواب: عقیدہ توحید کے موضوع پر گفتگو کرنے والے کئی سکالرز کی تقریر سننے کے بعد اہل علم پر خوب واضح ہو جاتا ہے، کہ کلام کرنے والے کو صفات باری تعالیٰ کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے بنیادی اصولوں ﴿معیارِ اُلُوہیت اور حقیقت و مجاز کے فرق تک﴾ کی بالکل خبر نہیں۔ لہذا: بنیادی اصولوں کو خود سیکھنا چاہیے، پھر کسی طرف کان دھرنا مناسب ہے۔

سوال: انسانیت کی سب سے بڑی خدمت کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب: اولیاء اللہ کی نظر میں کسی کو دوزخ والے راستے سے بچا کر جنت کے راستے پر لے آنا، ابنِ آدم کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ سب سے پہلے اسلامی عقائد، پھر اعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس کے ذریعے مکمل اسلام میں لانا اعلیٰ درجے کی خدمت اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کئی ہسپتال اور دیگر رفاہی کام کفار نے کروائے۔ کسی کے رفاہی کام سے متاثر ہو کر قرآنی عقیدہ سے ہاتھ دھو لینا دونوں جہانوں کا خسارہ ہے۔

سوال: تاجدار بریلی شریف کے علمی تعارف کے لیے چند کلمات لکھیں؟

جواب: کئی ایسے عشاقانِ مُصطفیٰ ﷺ ہیں جن کو اتنا بھی علم نہیں، تاجدار بریلی شریف نے اشعار کی صورت میں دو جلدوں پر مُشتمل ایک کتاب حقائق بخشش لکھی۔ جبکہ قرآن و سنت کے مضبوط دلائل سے آراستہ تقریباً ایک ہزار کتاب لکھی۔ اتنے بڑے امام کا علمی تعارف عشاقانِ مُصطفیٰ ﷺ پر قرض ہے۔ جس کی ادائیگی کی اس وقت کوئی ظاہری صورت نظر نہیں آرہی۔

﴿تعاون کمیٹی کا پیغام﴾

قرآن کریم سورۃ المائدہ آیت: میں اللہ رب العزت نے فرمایا: کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون کرو۔ اہل اسلام اس علم کو دینی علم مانتے ہیں، کہ جو شرعی آداب اخلاقیات سے مزین ہو۔ اور اللہ رب العزت کے قرب کا ذریعہ بنے۔

ایسا علم جو مقبولان بارگاہ الہی کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرے یا فتنہ و فساد کا باعث بنے۔ یا جسے پڑھنے سے ادب و حیاء جاتا رہے۔ وہ اصل میں علم نہیں۔ بلکہ جہالت ہے۔

الحمد للہ: سیدنا و مرشدنا حضرت پیر سید افضال حسین شاہ صاحب مشہدی محمدی سیفی اطال اللہ حیاتی کی سرپرستی میں جامعہ محمدیہ سیفیہ حسن القرآن اپنی درجنوں شاخوں سمیت ہمارے اور ہمارے آنے والی نسلوں کے لیے ایسے علم کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔ جو کہ شرعی آداب اور اخلاقیات سے مزین ہو۔ جس میں ماہانہ لاکھوں روپے خرچ آ رہا ہے۔ ادارے کی بڑھتی ہوئی تعداد اور تعمیراتی کاموں کے تسلسل کی وجہ سے ہمیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے!

التماس: آپ کے گزارش ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق دینی جذبوں کا اظہار فرمائیں اور ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں!

﴿آپ درج ذیل طریقوں سے ادارے سے تعاون کر سکتے ہیں﴾

☆ اپنا ایک لاکھ بچہ دین اسلام کے لیے ادارے کو دیں تاکہ آپ کی آنے والی نسلیں تربیت یافتہ ماحول میں پرورش پا سکیں۔ ☆ اگر آپ پر شرعی لحاظ سے زکوٰۃ فرض ہے، تو سالانہ زکوٰۃ ادارہ میں ادا کر دیا کریں۔ ☆ اگر آپ زمیندار ہیں، تو کل پیداوار کا عشر یعنی بیسواں حصہ بنتا ہے۔ وہ ادارے میں ادا فرما دیا کریں۔ ☆ اگر آپ تجارت کرتے ہیں، تو تجارت میں گردش کرنے والے مال کی سالانہ جو چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے۔ وہ ادارے میں پہنچا دیا کریں۔ ☆ اگر آپ ملازمت کرتے ہیں، تو اپنی وسعت کے مطابق ماہانہ ایک، دو، چار، دس طلباء کی کفالت کی ذمہ داری لے لیں۔ ☆ اگر آپ بینک کے ذریعے ادارہ کو اپنی عطیات بھیجنا چاہیں، تو جامعہ کے اس نمبر پر فون کر کے: 0300-4210937، یا دائش ایپ کے 0313-8485313 اس نمبر پر رابطہ کر کے بینک اکاؤنٹ پوچھ کر اس اکاؤنٹ میں بھیج دیں۔

☆ اگر آپ دور حاضر میں موبی کیش یا ایزی پیسہ کے ذریعے بھیجنا چاہیں۔ تو اس مذکورہ نمبر پر رابطہ کر کے ایزی پیسہ یا موبی کیش کا نمبر لے لیں۔ ☆ اگر آپ کے ظاہری حالات ساتھ نہ دیں۔ تو پھر بھی ادارے کے مہتمم سے لکھ کر ادنیٰ خادم تک سب کو دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح آپ کا دینی تعلیم میں حصہ شامل ہو جائے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

کہ عقائد کے لحاظ سے ان چیزوں کا سیکھنا فرض عین ہے
جن چیزوں کے بارے میں عقیدہ درست رکھنے سے
بندہ مؤمن ہوتا ہے اور جن چیزوں سے ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

کتابخانه

کہ اسلامی عقائد کے لحاظ سے اللہ کی رحمت، فضل اور بخشش سے ناامید ہو جانا کفر ہے۔ نیز اللہ رب العزت کی پکار سے بالکل بے خوف ہو جانا بھی کفر ہے۔ یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

کراسادی تھا کہ اس کے مطابق اپنے اعمال کی قیادت کر
دینی کہنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اپنے اعمال کی قیادت کے
لائق سمجھا سمجھ رہا ہے۔ جبکہ اعمال کی قیادت کی اس بات
کہ کھتے میں عاجزی ہے۔

کمال میں سے کسی عمل میں جب
تکبر یا ریاکاری آجائے تو اس کا
اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

کہ رسول کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق جو ایک لقمہ حرام کا کھائے اس کی چالیس دن دعا قبول نہیں ہوتی۔

١٥٠٠

کہ رسول کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق، ایک درہم سود لینے کا گناہ اپنی والدہ سے نکاح کرنے کے برابر ہے

三

سکول و کالجوں میں پڑھایا جانے والا علم بطور ہنر سیکھا جاتا ہے۔ جو کہ جائز ہے شریعت مطہرہ نے جس علم کو فرض قرار دیا ہے، وہ دینی تعلیم ہے۔

12-11-14

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا
 اے مجھے اللہ کریم نے ساروں کو توڑنے
 کے لیے (بھی) بھیجا ہے۔

卷一百一十五

کہ جو آدمی بھگوان کرنے کی عادت بنالے
اور بھگوانے سے باز نہ آئے، وہ قیامت
کے دن شفاعت سے محروم رہے گا۔

کر جس نے کسی کی زمین پر ایک باغیچہ
بھی نہ بنا کر جھڑ کیا تو وہ زمین تحتِ امرش
تک آگ کا طوق بنا کر اس کے گلے
میں ڈال دی جائے گی۔

پیشانی پر

کہ اولیاء اللہ کے حواریات ہی علم کی کمی سے
تعلیمی سہجہ نہ کرتے، اصول بھاتا ہوا ہے، جاننا، محروقیں
غیر سے دیکھ جانا اور دیگر غیر شرعی حرکات ان لوگوں کی
تعلیمی ہے۔ ان کی حرکات کو عشقِ حقان و عشقِ
پروردگاریت پر ابھارتا ہے۔

1992

کہ نام رہائی حضرت محمد ﷺ جانی سے لایا
 اللہ رب العزت کی رضا جنت سے بھی بڑا نعام
 ہے اور اللہ رب العزت کی ہر اچھی اور شے سے
 بھی بڑا نفع ہے۔

کہ حضرت محمد ﷺ جانی رحمت اللہ علیہ نے
جلد دوم، مکتوب ۹۳ میں ارشاد فرمایا کہ
خاص امتیوں کی نظر میں خود کو بدل دینا
مرد زندہ کرنے سے بڑی کراہت ہے۔

الطريق إلى الجنة

تقریباً ایک سو سال پہلے حاجی احمد اللہ خواجہ
رحمۃ اللہ علیہ کی گویات احمدیہ کے نام سے
تالیف ہے۔ جو کہ اہل سنت و جماعت
(یعنی) کے معمولات کی تعمیل بتا کر کرتی ہے۔

المجلد الثاني

کہ حضرت امام رضا خان نے یوں علی بارہوی
کے اشعار کی صورت میں دو جلدوں پر مکتبہ ایک
نصاب لکھی۔ جبکہ علی میدان میں آپ کی تصانیف
ایک جزائے کرب ہے۔
اس حقیقت کا اعتراف وہاں اس کو لکھیں۔

کرا متحیا کرتے ہوئے، جب تک
پوشاک کے خشک ہونے کے واسطے
دل کو تسلی نہ ہو جائے، اس وقت تک
دن و شب روع کرنا چاہئے۔